# سختی اور بداخلاقی سے پیش نہ آؤ

## حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات

میں اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے میں سے کمزور اور کچے لوگوں پر رحم کریں۔ ان کی کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ ان پر سختی نہ کریں۔ اور کسی کے ساتھ بداخلاقی سے پیش نہ آئیں بلکہ ان کو سمجھائیں۔ دیکھو صحابہؓ کے درمیان بھی بعض منافق آکر مل جاتے تھے۔ پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی جس نے کہا تھا کہ غالب لوگ ذلیل لوگوں کو یہاں سے نکال دیں گے۔ جیسا کہ سورۃ منافقون میں درج ہے۔ اور اس سے مراد اس کی یہ تھی کہ کفار مسلمانوں کو نکال دیں گے۔ اس کے مرنے پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ اس کے لئے دیا تھا۔

میں نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ میں دعا کے ساتھ اپنی جماعت کی مدد کروں۔ دُعا کے بغیر کام نہیں چلتا۔ دیکھو صحابہؓ کے درمیان جو لوگ دُعا کے زمانہ کے تھے یعنی مکی زندگی کے جیسی ان کی شان تھی۔ ویسی دوسروں کی نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ جب ایمان لائے تھے۔ تو انہوں نے کیا دیکھا تھا کہ انہوں نے کوئی نشان نہ دیکھا تھا۔ لیکن وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور اندرونی حالات سے واقف تھے۔ اس واسطے نبوت کا دعویٰ سنتے ہی ایمان لے آئے۔ اسی طرح میں کہا کرتا ہوں کہ ہمارے دوست اکثر یہاں آیا کریں اور رہا کریں۔ گہرا دوست اور پورا واقف بن جانے سے انسان بہت فائدہ اٹھاتا ہے۔ معجزات اور نشانات سے ایسا فائدہ نہیں ہوتا۔ معجزات سے فرعون کو کیا فائدہ ہوا۔ معجزات کے ہزاروں منکر ہوتے ہیں۔ اخلاق کا منکر کوئی نہیں ہوتا۔ ۔۔۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کے دو پہلو دکھلائے۔ ایک مکی زندگی میں جبکہ آپؐ کے ساتھ صرف چند آدمی تھے۔ اور کچھ قوت نہ تھی۔ دوسرا مدنی زندگی میں جبکہ آپؐ فاتح ہوئے اور وہی کفار جو آپ کو تکالیف دیتے تھے۔ اور آپؐ ان کی ایذا ہی پر صبر کرتے تھے اب آپؐ کے قابو میں آگئے ایسا کہ جو چاہتے آپ ان کو سزا دے سکتے تھے مگر آپ نے لاتثریب علیکم الیوم کہہ کر ان کو چھوڑ دیا۔

# دعائیہ کے موقع پر

## حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا خصوصی پیغام

'اللہ بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

''سب تعریف اللہ کے لئے ہے (تمام) جہانوں کے رب، بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے، جزا کے وقت کے مالک (کے لئے) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا، اُن لوگوں کے رستے (پر) جن پر تُو نے انعام کیا نہ اُن کے جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے''

(سورۃ الفاتحہ)

اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کو درج کرنے کے بعد میں تمام جماعت کو پیغام صلح کے اس شمارہ کے ذریعہ سالانہ دعائیہ کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس دعائیہ کو اپنے رحم و کرم سے کامیابی عطا فرمائے اور تمام شرکاء کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ میں دعا گو ہوں کہ تمام حاضرین اس دعائیہ سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور اکٹھے مل بیٹھ کر اجتماعی دعاؤں میں نہ صرف اپنے ملک عزیز پاکستان، بلکہ تمام دنیا کے لئے امن و سلامتی کی دعائیں کریں اس کے ساتھ ساتھ جماعت اور جماعت کے افراد کو درپیش مشکلات سے نجات اور ترقی کے لئے بھرپور دعائیں کریں۔ جو لوگ اس میں شامل ہوں اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم سے نوازے۔ (آمین)

دعائیہ کے دوران جو باتیں سننے اور کہنے کو ملیں اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ ہماری زندگیوں میں نیک تبدیلی لائے۔ آمین

یہ یاد رہے کہ یہ دعائیہ مسیح موعودؑ نے خود شروع کیا اور اس کے متعلق فرمایا: **''اس جلسہ میں جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے۔ ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ کاموں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر قدم پر ثواب دیتا ہے اور اسی کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں جاتی اور مکرّر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمہ اسلام پر بنیاد ہے۔'' آمین**

اور اس میں شامل ہونے والوں کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی دعائیں بھی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان دعاؤں کا حقدار بنائے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

**''ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسے کے لئے سفر اختیار کریں خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو اور ان کو اجرِ عظیم بخشے اور ان پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دیوے اور ان کے ہم و غم دور فرما دے اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی ہر ایک مرادات کی راہیں ان پر کھول دے اور روزِ آخرت میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ اٹھاوے جن پر اس کا فضل و رحم ہے اور تا اختتام سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔ اے خدا اے ذوالمجد والعطا اور رحیم و مشکل کشا ہماری تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔'' آمین**

اللہ تعالیٰ تمام جماعت کے ممبران کو اللہ کے دین کا صحیح خادم بنائے اور جو مقاصد حضرت مسیح موعودؑ نے اس دعائیہ کے بیان فرمائے ہیں، میری دعا ہے کہ ہم ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اس موقع پر اور پھر بعد میں بھی کوشش کرتے رہیں اور اسلام کی خدمت اور فروغ کے لئے اپنا کردار دینی جذبہ سے ادا کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس نیک ارادہ کی راہ میں تمام رکاوٹوں کو اپنے رحم و فضل سے دور فرمائے۔ آمین

# اختتامی خطاب و دُعا

## برموقع تقریب عید میلاد النبیؐ ، فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

## بمقام جامع دارالسلام، لاہور

'اللہ بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

''سب تعریف اللہ کے لئے ہے (تمام) جہانوں کے رب، بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے، جزا کے وقت کے مالک (کے لئے) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا، اُن لوگوں کے رستے (پر) جن پر تُو نے انعام کیا نہ اُن کے جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے'' (سورۃ الفاتحہ)

ترجمہ: ''کہو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو کہ اللہ تم سے محبت کرے اور تمہیں تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے'' (سورۃ آل عمران آیت 31)

آج کی تقریر سورۃ الفاتحہ کی تلاوت سے شروع کی اور اس کے بعد سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 31 پڑھی۔

سورۃ الفاتحہ سے قرآن کریم کا آغاز ہوتا ہے اور اس طرح قرآن کا پہلا لفظ الحمد ہے۔ الحمد کے تین مفہوم بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا، اس کا شکر کرنا اور اس کی رضا پر راضی ہو جانا۔

اللہ تعالیٰ کا ہم شکر ادا کرتے ہیں ان تمام نعمتوں کا جو اس نے ہمیں عطا کیں، ان میں سے سب سے بڑی نعمت اور انعام جو اس دنیا اور عالمین کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی وہ رسول کریم صلعم کی مبارک ہستی ہے جن کے ذریعہ تمام نبوتیں ختم کر دی گئیں، کسی بھی نبی کے آنے کی گنجائش ختم ہوگئی، اب کوئی نبی نہیں آسکتا چاہے وہ نیا ہو یا پرانا۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کیونکہ اگر رسول کریم صلعم نہ آئے ہوتے تو وہ جہالت جو اس وقت عرب میں راج کر رہی تھی وہ ساری دنیا سے اللہ تعالیٰ کا نام مٹا دیتی، اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لینے والا نہ رہتا، ہر طرف بت پرستی اور لاقانونیت ہوتی، یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور یہ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلعم کے ذریعہ کہلوا رہا ہے کہ آپ سب جہانوں کو بتا دیں کہ **اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، کہ اللہ تم سے محبت کرے''** اللہ سے محبت ہر انسان کرتا ہے یا کم از کم اس کا دعویٰ کرتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اللہ بھی اس سے محبت کرے، شاید یہ لوگوں کی خوش فہمی ہوتی ہے کہ اللہ اُن سے خوش ہے کیونکہ وہ اتنی رکعت پڑھ رہے ہیں، راتوں کو جاگ رہے ہیں، قرآن پڑھ رہے ہیں، روزے رکھ رہے ہیں، ساری عبادات ادا کر رہے ہیں لیکن اُن کی قبولیت صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہ سب نیت پر مبنی ہوتی ہیں، وہ عبادت جس میں دکھاوا نہ ہو اور دل سے کی جائے وہی اللہ کے ہاں قبول ہوتی ہے اور **جب کوئی عبادت قبول ہو جائے تو وہی انسان کے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔**

### اللہ تعالیٰ سے محبت کیسے کی جاسکتی ہے

اب یہاں پر ہم نے یہ بات سوچنی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کیسے کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ رسول کریم صلعم کی اطاعت سے وہ محبت حاصل ہو سکتی ہے، وہ قربت کا رشتہ جو انسان اور خدا کے درمیان ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا دوست یعنی ولی بن جاتا ہے اور ولی کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں

کہ دو چیزوں کو جوڑ کر اکٹھا کر دیا جائے جیسے دو انگلیاں اکٹھی کر دی جاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ انسان سے راضی ہو جاتا ہے اور انسان خدا سے۔

مسیح موعود فرماتے ہیں کہ عبادات اس لئے نہ کی جائیں کہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جائیں گے، پھر ہمیں اچھی اچھی خوابیں آنے لگ جائیں گی، پھر الہامات ہونے لگ جائیں گے، ہم کشف دیکھنے لگ جائیں گے، ہم پیشگوئیاں کرنے لگ جائیں گے، خدا تعالیٰ سے تعلق صرف اور صرف اس **لئے کیا جائے کہ اس کی رضا اور محبت حاصل ہو جائے اور اسکا طریقہ سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لئے بیان فرمایا اس نے قرآن کریم کے شروع ہی میں بتا دیا ہے** اور اس سورۃ کو بار بار ہر نماز میں پڑھنے کا حکم دے دیا اور اس کی وجہ یہی تھی کہ اگر ہم وہ ہدایت چاہتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ سے رشتہ قائم ہو جائے جیسے کہ ان لوگوں کا ہوا جن کو اللہ تعالیٰ نے **انعمت علیھم** والے بتایا اور اس کی تشریح قرآن کریم نے خود کی، یہ قرآن کی خصوصیت ہے کہ وہ اپنی اصطلاحات کی خود تشریح کرتا ہے اور جہاں پر انعمت علیھم کہہ دیا اللہ تعالیٰ نے وہاں پر اس کی تشریح سورۃ النساء میں اس طرح کر دی۔

ترجمہ: **"اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تو یہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا (یعنی) نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالح لوگوں (کے ساتھ) اور یہ اچھے ساتھی ہیں۔" (سوۃ النساء آیت نمبر 69)**

اس آیت کریمہ میں چار قسم کے لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے بہترین ساتھی کہا ہے یعنی نبی، صدیق، شہداء اور صالحین اور یہ تمام ہستیاں نیک اور پاک ہیں، انہی لوگوں کو انعمت علیھم کہا گیا ہے۔ **ان میں تمام نبی شامل ہو جاتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول کریم صلعم تک۔** یاد رہے کہ دعاؤں سے نبی نہیں بنتے، نہ کوئی نبی پہلے دعاؤں سے بنا نہ کسی شخص نے یہ دعا کی کہ یا اللہ مجھے نبی بنا دے اور نہ وہ نبی اس لئے بنا کہ وہ بہت دعائیں کرتا تھا اور یہ اصول آئندہ بھی تا قیامت رہے گا کہ کوئی دعاؤں سے نبی نہیں بنتا، صرف نبیوں کے نمونے پر چل کر وہ درجہ حاصل کر سکتے ہیں **جس مقام پر نبیوں جیسی نیکیاں حاصل ہوں اور وہ برگزیدہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ان کو انعامات دے گا۔** اگر تمام نبیوں، تمام صدیقوں، تمام شہداء، تمام صالحین کی زندگیاں دیکھ لیں تو یہ ہمارے لئے نمونہ ہیں، ہم سب دل سے چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرے اور ہم اللہ تعالیٰ کے قریب ہوں اور وہ ہم سے راضی ہو۔

## سورۃ الفاتحہ میں تین درجات کی نشاندہی کی گئی ہے

اس سورۃ میں تین درجوں کی اللہ تعالیٰ نے نشان دہی کی ہے جس پر اس انسان کو سفر اختیار کرنا ہے جس کے ذریعہ وہ منزل پا سکتا ہے جو اللہ کے قریب لے جائے۔ لہذا اصراط مستقیم پر ہی سفر اختیار کر کے ہم اس منزل پر پہنچ سکتے ہیں، جہاں پر خدا کا قرب اور اس کی دوستی حاصل ہو۔ خدا تعالیٰ جب انسان سے راضی ہو جائے تو وہ ایسی زندگی کا مقصد پا لیتا ہے ورنہ اُسے اس زندگی سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ **اس سفر کا پہلا درجہ "اھد نا الصراط مستقیم"** کا ہے، جب انسان ارادہ کر لے کہ سیدھا راستہ پانا ہے، ہر کوئی چاہتا ہے کہ وہ سیدھا راستہ پائے جو خدا تک پہنچائے اور بغیر ارادے کے آپ وہ راستہ کیسے پائیں گے؟ **اس لئے اس راستہ کا پہلا قدم جو خدا تعالیٰ نے قرآن کے ذریعہ اور رسول کریم صلعم کے نمونہ کے ذریعہ بتایا ہے،** آپؐ نے قرآن پر عمل کیا اور ایک نمونہ بنے اور اس نمونے کی ایک ایک تفصیل احادیث شریف میں پائی جاتی ہے۔ **اس لئے اگر کوئی اس غلط فہمی میں ہے کہ صرف قرآن ہی پر عمل کرنا ہے تو وہ سخت غلطی کرتا ہے جب وہ اپنے نبی کا نمونہ نہیں دیکھے گا اور اس پر عمل نہیں کرے گا تو وہ ایسے ہی بھٹکتا پھرے گا۔**

سیدھا راستہ جس کو حضرت مرزا صاحب استقامت کا راستہ کہتے ہیں یہ وہ راہ ہے جس پر آپ استقامت سے چلیں تو آپ اللہ کو پا سکتے ہیں۔ **اھد نا الصراط المستقیم کو رٹا لگا کر کہتے کہتے کبھی کوئی اس راہ پر چل نہیں سکتا اسی لئے بتا دیا کہ اھد نا الصراط مستقیم پر جو چلنے والے تھے جنہوں نے کچھ حاصل کیا انہوں نے پہلے اپنے آپ کو درست کیا۔ اس حالت کے لئے اپنے آپ کو**

**ڈھالا اور وہ نمونہ اپنایا جو نبیین، صدیقین، صلحاء، شہداء کا نمونہ تھا۔**

**دوسرا درجہ صراط الذین انعمت علیھم ہے۔** ہم نے جب کہہ دیا کہ ہم سیدھے راستے کی دعا کرتے ہیں اور اس کی منزل **صراط الذین انعمت علیھم** مقرر کرتے ہیں۔ تو پھر اس کے لئے وہ تکالیف اٹھانے کے لئے جو اُن لوگوں نے اٹھائیں ان کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہونا پڑتا ہے، رسول کریم صلعم کی زندگی جس کا بیان آپ مقررین سے سن چکے ہیں اور واقعی ہمارے مقررین نے کوئی ایسا پہلو نہیں چھوڑا اور یہی نبیؐ کی شان ہے کہ ہر مسلمان آپؐ کے بارہ میں کچھ بیان کر سکتا ہے، اور محبت اور دل سے کہہ رہا ہوتا ہے۔ آپؐ نے کافی تکالیف برداشت کیں، راستے میں کانٹے پھینکے جاتے رہے، پتھر پھینکے جاتے تھے، گند پھینکے جاتے تھے، چوٹیں ان کو لگتی تھیں یہ سب برداشت ہوتا تھا یہاں تک کہ فرشتہ نے آ کر کہہ دیا کہ اس بستی کو ہم تباہ کر ڈالیں گے جس نے آپ کو لہولہان کر دیا لیکن آپ رحمت العالمین تھے، آپ نے یہ اجازت نہیں دی، ورنہ اس دن کسی کا کچھ نہیں بچنا تھا، پہلے قومیں تباہ ہوئیں تھیں، آندھیاں چلیں تباہ ہوئیں، طوفان آئے تباہ ہوئیں، پتھر برسے تباہ ہوئیں، سمندر میں ڈوب کر تباہ ہوئیں لیکن رحمت العالمین نے جو کہا وہی ہوا کہ آج نہیں تو کل ان کی اولادوں میں بڑے بڑے اولیاء اللہ اور اچھے لوگ پیدا ہوں گے۔ آپ صلعم نے صبر سے برداشت کیا اور ان کے ساتھ جو رضائے الٰہی پانے کے لئے صحابہ بنے اُنہوں نے بھی برداشت کیا اُن کے نام بھی عزت سے لیے جا رہے ہیں، ان کو بھی ایذائیں دی گئیں، گرم پتھروں کے نیچے دبا کر رکھا گیا، اونٹوں کے ساتھ باندھ کر جسم چیرے گئے، کوڑے مارے گئے، سزائیں دی گئیں یہ سب برداشت کرنا پڑا۔ اس لئے ہمارے سامنے نبی صلعم اور ان کے ساتھیوں کا برداشت کرنے کا نمونہ ہے جس پر ہر مسلمان نے عمل کرنا ہے۔

**دو جماعتیں انعمت علیھم میں شامل ہیں۔ ایک وہ جو رسول کریم صلعم کے زمانہ میں ان کے ساتھی تھے اور ایک آنے والے زمانہ میں آخرین منھم والے لوگ،** ہم بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ وہ ہماری جماعت کی طرف اشارہ تھا تو پھر جو کچھ ان لوگوں کے ساتھ ہوا ادھر بھی ہونا تھا لیکن جو انہوں نے حاصل کیا، ہم نے بھی اپنا محاسبہ کرنا ہے کہ کیا ہم بھی حاصل کر رہے ہیں یا نہیں۔ اس کے لئے قرآن اور رسول کریم صلعم کے نمونہ پر عمل کیا تو پھر وہ مقام حاصل ہوگا ورنہ یہ جماعت کا لیبل، گالیاں، کفر کے فتوے وغیرہ ہمارے پاؤں اور ہاتھوں میں زنجیریں بنی رہیں گی لیکن جس وجہ سے یہ جماعت بنی اس کے لئے ہمیں ایک خاص راہ اپنا لینی چاہیے اور وہ بقا کی راہ ہے ہمیشہ رہنے والی راہ، اس کے لئے خاک میں ملنا پڑتا ہے۔ **جب تک کوئی دانہ زمین میں نہ دبے اور وہاں وہ موت اختیار نہ کرے تو پھر دانہ نہیں بن کے نکل سکتا، دانے کو مرنا پڑتا ہے مزید دانے بنانے کے لئے۔** اس لئے تکالیف قبول کرنا، اس راہ کی تلاش میں استقامت اور صبر دکھانا اور اھدنا الصراط مستقیم پانے کے لئے کچھ اپنے اندر تبدیلیاں لانا تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ راستہ دکھائے جس کا نسخہ مسیح موعودؑ کے اس شعر میں بیان فرمایا ہے

**جو خاک میں ملے اسے ملتا ہے آشنا**
**اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما**

**تیسرا درجہ غیر المغضوب علیھم والضالین ہے،** یہ سب سے مشکل ترین ہے اس لئے کیونکہ آزمائش کے ڈر کی وجہ سے لوگ راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہے۔ اچھے اچھے احمدیوں کی اولادیں احمدیت اور حضرت صاحب کو گالی دینے والی اولادیں بھی بنیں، اپنے بزرگوں کی تصویروں کو زمین پر پھینک کر اُن کے اوپر اچھلنے والی اولادیں بھی بنیں اور اس نام کو چھپانے والی اولادیں بنیں اور گھر میں سے جماعت کے لٹریچر کا نام و نشان مٹانے والی اولادیں بنیں۔ **تمام لوگ اس پر متفق ہیں کہ گمراہ عیسائی ہیں اور مغضوب یہودی، لیکن انسان کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ کیا آزمائش کے وقت**

وہ رسول کریم صلعم کے نمونہ کو اختیار کریں گے، برداشت کریں گے، مقابلے میں رہیں گے یا پھر گمراہی اختیار کریں گے اور گمراہی میں اتنے بڑھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کا غضب آ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ جو اس راہ پر چلے گا وہ اس کی حفاظت فرمائے گا صرف یقین کی کمی ہو جاتی ہے جب ڈر حاوی ہو جاتا ہے تو انسان کہتا ہے کہ شاید یہ جھوٹا وعدہ تھا۔ کدھر گئی اللہ کی مدد۔

آج کی تقریروں میں بہت سی اچھی باتیں سنیں، وقتی طور پر بہت شوق آیا کہ اس نمونے کو ہم اپنا لیں۔ حضرت محمد صلعم کی ولادت کی خوشی تب ہی اصلی خوشی بن سکتی ہے کہ وہ چیزیں جو ہم نے سنیں وہ نمونہ جو آج ہم نے سنا اس پر ہم عمل کرنے کا پورا ارادہ کر لیں اور اھد نا الصراط مستقیم دل سے کہہ دیں اور ساتھ مان لیں کہ صراط الذین انعمت علیھم پر چلنے کے لئے تمام مشکلات برداشت کریں گے اور ساتھ اپنی پناہ کے لئے کہہ دیں کہ غیر المغضوب علیھم و الضالین کی راہوں سے بچیں گے تو اللہ ہمیں منزل پر پہنچا دے گا۔

## دعا

آئیں مل کر دعا کریں کہ یہ جماعت جس مقصد کے لئے بنائی گئی تھی اللہ اُس پر ہمیں قائم رکھے اور ہم استقامت کے ساتھ رسول کریم صلعم کے خلق عظیم کی پیروی کرنے والی جماعت بن جائیں اور تقویٰ کا حصول جو اس جماعت کا مقصد تھا اسے پالیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نماز قائم کرنے والی جماعت اور قرب الٰہی حاصل کرنے والی جماعت بنائے اور ہم اس کا قرب اور رضا حاصل کر سکیں۔ آمین

☆☆☆☆

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

# جماعت کو نصیحت

مبارک وہ قیدی جو دعا کرتے ہیں تھکتے نہیں کیونکہ ایک دن رہائی پائیں گے۔ مبارک وہ اندھے جو دعاؤں میں سست نہیں ہوتے کیونکہ ایک دن دیکھنے لگیں گے۔ مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے دعاؤں کے ساتھ خدا کی مدد چاہتے ہیں کیونکہ ایک دن قبروں سے باہر نکالے جائیں گے۔ مبارک تم جبکہ تم دعا کرنے میں کبھی ماندہ نہیں ہوتے اور تمہاری روح دعا کے لئے پگھلتی اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے۔ اور تمہیں تنہائی کا ذوق اٹھانے کے لئے اندھیری کوٹھریوں اور سنسان جنگلوں میں لے جاتی ہے۔ اور تمہیں بیتاب اور دیوانہ اور از خود رفتہ بنا دیتی ہے کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جائے گا۔ وہ خدا جس کی طرف ہم بلاتے ہیں نہایت کریم، رحیم، حیا والا، صادق، وفادار، عاجزوں پر رحم کرنے والا ہے پس تم بھی وفادار بن جاؤ اور پورے صدق اور وفا سے دعا کرو کہ وہ تم پر رحم فرمائے گا۔ دنیا کے شور و غوغا سے الگ ہو جاؤ۔ اور نفسانی جھگڑوں کو دین کا رنگ مت دو۔ خدا کے لئے ہار اختیار کر لو اور شکست کو قبول کر لو تا بڑی بڑی فتحوں کے تم وارث بن جاؤ۔

دعا کرنے والوں کو خدا معجزہ دکھائے گا اور مانگنے والوں کو ایک خارقِ عادت نعمت دی جائے گی۔ دعا خدا سے آتی ہے اور خدا کی طرف ہی جاتی ہے۔ دعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے جیسا کہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے۔ دعا کی پہلی نعمت یہ ہے کہ انسان میں پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے پھر اس تبدیلی سے خدا بھی اپنے صفات میں تبدیلی کرتا ہے اور اس کے صفات غیر متبدل ہیں۔ مگر تبدیلی یافتہ کے لئے اس کی ایک الگ تجلی ہے جس کو دنیا نہیں جانتی۔ گویا وہ اور خدا ہے۔ حالانکہ اور کوئی خدا نہیں۔ مگر نئی تجلی نئے رنگ میں اس کو ظاہر کرتی ہے۔

(''اسلام''، لیکچر سیالکوٹ صفحہ نمبر 27-26)

☆☆☆☆

# حضرت مسیح موعودؑ کی آخری باتوں میں سے چند باتیں

## 17 مئی 1908ء

## انتخاب از اخبار ''الحکم'' 21 تا 28 مئی 1911ء

مجھے اس وقت اس بات کا اظہار ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہمیں تین قسم کا شکر کرنا چاہیے۔ سب سے مقدم اللہ کا شکر ہے۔ جس نے ہمیں زندگی دی، صحت دی، تندرستی بخشی، امن دیا اور اشاعت دین کے لئے سامان مہیا کر دیئے اور حقیقتاً سچی بات یہ ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہیں تو ہرگز ممکن نہیں کہ اس خدا کی مہربانیوں اور احسانوں کا شمار کر سکیں، اس کے انعامات ہر دو روحانی اور جسمانی رنگ میں محیط ہے اور جیسا کہ وہ سورۃ فاتحہ میں جو کہ سب سے پہلی سورۃ ہے اور تمام قرآن شریف اسی کی شرح اور تفسیر ہے اور وہ پنج وقت نمازوں میں بار بار پڑھی جاتی ہے اس کا نام رب العالمین ہے یعنی ہر حالت اور ہر جگہ پر اسی کی ربوبیت سے انسان زندگی اور ترقی پاتا ہے اگر نظر عمیق سے دیکھا جاوے تو حقیقت میں انسانی زندگی کا بقاء اور اسودگی اور آرام راحت وچین اسی صفت الٰہی سے وابستہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحمانیت کا استعمال نہ کرے اور دنیا سے اپنی رحمانیت کا سایہ اٹھا لے تو دنیا تباہ ہو جاوے پھر اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا نام رحمٰن اور رحیم کہا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن اور رحیم میں فرق بیان کر دوں تو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا نام جو بغیر کسی عوض یا انسانی عمل محنت اور کوشش سے انسان سے شامل حال ہوتی ہے رحمانیت ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے نظام دنیا بنایا، سورج پیدا کیا، چاند بنایا، ستارے پیدا کیے، ہوا، پانی، اناج بنائے، ہماری طرح طرح کی امراض کے واسطے شفاء بخش دوائیں پیدا کیں غرض اسی طرح کے ہزاروں ہزار انعامات ایسے ہیں کہ بغیر ہمارے کسی عمل یا محنت وکوشش کے اس نے محض اپنے فضل سے پیدا کر دیئے ہیں، اگر انسان ایک عمیق نظر سے دیکھے تو لاکھوں انعامات ایسے پائے گا اور اس کو کوئی انکار کی راہ نہ ملے گی اور ماننا پڑے گا کہ وہ انعامات اور سامان راحت جو ہمارے وجود سے ہی پہلے کے ہیں، بھلا وہ ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہیں۔ دیکھو یہ زمین اور یہ آسمان اور ان کی تمام چیزیں اور خود ہماری بناوٹ اور وہ حالت کہ جب ہم ماؤں کے پیٹ میں تھے اور اس وقت کے قویٰ یہ سب ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہیں۔ یہ میں ان لوگوں کا یہاں بیان نہیں کرنا چاہتا جو تناسخ کے قائل ہیں مگر ہاں اتنا بیان کئے بغیر رہ بھی نہیں سکتا اللہ تعالیٰ کے ہم پر اتنے لاتعداد انعام اور فضل ہیں کہ ان کو کسی ترازو میں وزن نہیں کر سکتے۔ بھلا کوئی بتا تو دے کہ یہ انعامات کہ چاند بنایا، سورج بنایا، زمین بنائی اور ہماری تمام ضروریات ہماری پیدائش سے بھی پہلے مہیا کر دیں، یہ کل انعامات کس عمل کے ساتھ وزن کریں گے۔ پس ضروری طور پر ماننا پڑے گا کہ خدا رحمٰن ہے اور اس کے لاکھوں فضل ایسے بھی ہیں کہ وہ محض اس کی رحمانیت کی وجہ سے ہمارے شامل حال ہیں اور اس کے یہ نعماء ہمارے کسی گزشتہ عمل کا نتیجہ نہیں ہیں اور کہ جو لوگ ان امورات کو اپنے کسی گزشتہ عمل کا نتیجہ خیال کرتے ہیں وہ محض کوتہ اندیشی اور جہالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، خدا کا فضل اور رحمانیت ہماری روحانی وجسمانی تکمیل کے فرض سے ہے اور کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ میرے اعمال کا نتیجہ ہے، الرحیم انسان کی سچی محنت اور کوشش کا بدلہ دیتا ہے، ایک کسان سچی مخلصانہ محنت وکوشش کرتا ہے

اس کے مقابل میں یہ حالت اللہ ہے کہ وہ اس کی محنت وکوشش کو ضائع نہیں کرتا اور بابرگ وبار کرتا ہے، شاذ ونادر حکم عدم کا رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی اپنی صفت رب ہے یعنی پرورش کرنے اور رہنمائی کرنے والا، روحانی اور جسمانی دونوں قسم کے قویٰ اللہ تعالیٰ نے انسان میں رکھے ہیں اگر قویٰ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان میں رکھے ہیں، اگر قویٰ ہی نہ رکھے ہوتے تو انسان ترقی ہی کیسے کرسکتا، جسمانی ترقیات کیا اور روحانی ترقیات کیا، انسان کو اللہ کے فضل وکرم اور انعام کے گیت گانے چاہئیں کہ اس نے قویٰ بھی رکھے اور پھر ان میں ترقی کرنے کی طاقت بھی رکھ دی۔

مالک یوم الدین خدا ہے جو جزا و سزا دیتا ہے، ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ چور چوری کرتا ہے، ایک روز نہ پکڑا جاوے گا، دو روز نہ پکڑا جاوے گا اور پھر پکڑا جاوے گا اور زندان میں جائے گا اور اپنے کیے کی سزا بھگتے گا اور یہی حال زانی، شراب خور اور طرح طرح کے فسق وفجور میں بے مقصد زندگی بسر کرنے والوں کا ہے کہ خاص وقت تک خدا کی شان ستاری ان کی پردہ پوشی کرتی ہے، آخر وہ طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور دکھوں میں مبتلا ہوکر ان کی زندگی تلخ ہوجاتی ہے اور یہ اس اخروی دوزخ کی سزا کا نمونہ ہے، اس طرح جو لوگ سرگرمی سے نیکی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور فرمانبرداری ان کی زندگی کا اعلیٰ فرض ہوتا ہے تو خدا ان کی نیکی کو بھی ضائع نہیں کرتا اور مقررہ وقت پر ان کی نیکی بھی پھل لاتی اور باردار ہوکر دنیا میں ہی ان کے واسطے ایک نمونہ کے طور پر مثالی جنت حاصل کر دیتی ہے، فرض کیجئے یہی بدیوں کا ارتکاب کرنے والے فاسق، فاجر، شراب خور اور زانی ہیں ان کو خدا کا اور روز جزا کا خیال آنا تو درکنار اسی دنیا میں ہی اپنی صحت ،تندرستی، عافیت اور اعلیٰ قویٰ کھو بیٹھتے ہیں اور پھر بڑی حسرت مایوسی سے ان کو زندگی کے دن پورے کرنے پڑتے ہیں ۔سل، دق، سکتہ، رعشہ اور اور خطرناک امراض ان کے شامل حال ہوکر مرنے سے پہلے ہی مر رہنے اور آخر کار بے وقت اور قبل از وقت موت کا لقمہ بن جاتے ہیں۔

پس انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کا جو اس نے انسانی تربیت اور تکمیل کے واسطے مہیا کیے ہیں ان کا خیال کر کے اس کا شکر یہ ادا کریں اور غور کریں کہ اتنے قویٰ اس کو کس نے عطا کیے ہیں، انسان شکر کرے یا نہ کرے یہ اس کی مرضی ہے مگر اگر فطرت سلیم رکھتا ہے اور سوچ کر دیکھے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ کیا ظاہری اور کیا باطنی ہر قسم کے قویٰ اللہ تعالیٰ ہی کے دیئے ہوئے اور اسی کے تصرف میں ہیں، چاہے تو ان کو شکر کی وجہ سے ترقی دے اور چاہے تو ایک ناشکری کی وجہ سے ایک دم میں ضائع کردے،غور کا مقام ہے اگر تمام یہ قویٰ خود انسان کے اپنے تصرف میں ہوں تو کون ہے؟ کہ اس کا مرنے کو جی چاہے، انسان کا دل دنیا کی محبت کی گرمی کی وجہ سے آخرت سے بےفکری وسرد مہری اختیار کرلیتا ہے، غافل انسان ایسا نادان ہے اگر اس کو خدا سے پروانا بھی آجاوے کہ تمہیں بہشت ملے گا، آرام ہوگا اور طرح طرح کے باغ اور نہریں عطا ہوں گی، تمہیں اجازت ہے اور تمہاری اپنی خواہش اور خوشی پر منحصر ہے کہ چاہے ہمارے پاس آجاؤ اور چاہے دنیا ہی میں رہو تو یاد رکھو کہ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے کہ وہ اس دنیا کے گزارہ ہی کو پسند کریں گے اور باوجود طرح طرح کی تلخیوں ومشکلات کے اسی دنیا سے محبت کریں گے۔

دیکھو عمر کا بھروسہ نہیں زمانہ بڑا ہی نازک آگیا ہے، آپ لوگ دیکھتے ہوں گے کہ ہر سال کئی دوست اور کئی دشمن، کئی عزیز اور کئی پیارے بھائی اور بہن اس دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی عزیز سے عزیز اور قریبی سے قریبی رشتہ دار انسان کی مشکلات کا سہارا دینے والا نہیں ہوسکتا مگر باایں ہمہ انسان جس قدر محنت اور کوشش اور مجاہدہ ان کے واسطے اور اپنے دنیاوی امور کے واسطے کرتا ہے وہ بمقابلہ خدا کے بہت ہی بڑھا ہوا ہے، خدا کی عبادت اور فرمانبرداری اور اس کی راہ میں کوشش اور سوز وگداز بہت کچھ نابود

ہے، اعتدال نہیں کیا گیا، دنیا حد اعتدال سے باہر ہو چکی ہے، دنیاوی کاروبار میں ترقی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ترقی ہو رہی ہے، مگر بھلا کسی نے ایسی کوشش بھی کی ہے کہ ایک دن اس کی موت کا مقرر ہے اس سے یہ خود اپنے آپ کو یا کوئی دوسرا شخص اس کو باز رکھ سکے یا بچا سکے ہرگز نہیں، بلکہ اگر کوئی موت کے یاد دلانے والا ہوگا تو اس کی بھی پرواہ نہ کریں گے اور ہنسی ٹھٹھے میں ٹال دیں گے، اکثر انسان بہت ہی غلطی پر ہیں، دیکھو یہ نہ سمجھنا کہ ان باتوں سے میرا مطلب یہ ہے کہ تم تجارت نہ کرو یا کاروبار دنیا کو ترک کر کے بیٹھ جاؤ، عیال واطفال جو تمہارے گلے میں پڑے ہوئے ہیں ان کی خبر گیری نہ کرو یا بیوی بچوں اور بنی وانسان کے بعض حقوق جو تمہاری ذمہ داری میں داخل ہیں ان کی پرواہ نہ کرو، نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو بجالاؤ اور خدا سے غافل نہ ہو جب تم اپنی دنیا کی آنی وفانی ضروریات میں اس طرح کا انہاک اور استغراق پیدا کرتے ہو تو خدا سے منہ نہ پھیر لینا اور اس کی رضا جوئی اور خوشنودی کے حصول کے واسطے کوشش نہ کرنا اور خدا سے منہ پھیر لینا بھلا کس عقل مندی کا کام ہے، وہ خدا جس نے ابتداء میں پیدا کیا اور درمیانی حالات بھی اس کے قبضہ اور تصرف میں ہیں اور انجام کار بھی اسی کی حکومت اور اسی کے واسطے پڑے گا، اس خدا سے فارغ محض اور غافل ہو جانا اس کا نتیجہ ہرگز خیر نہیں ہو سکے گا۔

وہ خدا جس کے انعامات انسان کے ساتھ ہر حال میں شامل رہتے ہیں اور وہ بے شمار اور بے اندازہ احسانات ہیں اسی کا شکر کرتے رہنا بہت ضروری ہے، شکر اسی کو کہتے ہیں کہ سچے دل سے اقرار کرے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ایسی ہیں کہ بے شمار اور بے اندازہ ہیں۔۔۔۔۔۔ یہ خاص خدا کا فضل ہے کہ اس نے آپ لوگوں کے دلوں میں اس طرف توجہ ڈالی اور آپ لوگ یہاں تکلیف اٹھا کر تشریف لائے، خدا کرے کہ جس طرح ہم جسمانی طور سے مل کر بیٹھے ہیں اور جسمانی ملاقات ہوئی ہے، ایک دن وہ بھی آوے کہ روحانی طور سے بھی ہم مل بیٹھیں، خدا نے انسان کو زبان دی اور ایک دل بخشا ہے پھر اس زبان سے فتح نہیں ہو سکتی، دلوں کو فتح کرنے والا دل ہی ہوتا ہے اور جو قوم صرف زبانی ہی زبانی جمع خرچ کرتی ہے یاد رکھو کہ وہ کبھی فتح یاب نہیں ہو سکتی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا نمونہ دیکھو کیا ان کے پاس کوئی ظاہری سامان تھے؟ ہرگز نہیں مگر پھر با ایں ہمہ کہ وہ بے سروسامان تھے اور دشمن کثیر اور ہر طرح کے سامان اسے مہیا تھے ان کو خدا نے کیسی کیسی بے نظیر کامیابیاں عطا کیں، کہیں تاریخ میں ایسی کامیابی کی کوئی نظیر ملتی ہے تلاش کر کے دیکھ لو مگر لا حاصل پس جو شخص خدا کو خوش کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی دنیا ٹھیک ہو جاوے خود پاک دل ہو جاوے، نیک بن جاوے اور اس کے تمام مشکلات حل اور دکھ دور ہو جاویں اور اس کو ہر طرح کی کامیابی اور فتح و نصرت عطا ہو تو اس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایک اصول بتایا ہے اور وہ یہ ہے **قدافلح من زکھا** کامیاب ہو گیا، بامراد ہو گیا وہ شخص جس نے نفس کو پاک کر لیا، تزکیہ نفس میں تمام برکات وفیوض کامیابیوں کا راز نہاں ہے، فلاح صرف امور دینی ہی میں نہیں بلکہ دنیا ودین میں کامیابی ہوگی، نفس کی ناپاکی سے بچنے والا انسان کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ دنیا میں ذلیل ہو۔

میں یہ قبول نہیں کر سکتا کہ فلسفہ، ہیئت اور سائنس کا ماہر ہونے سے تزکیہ نفس بھی ہو جاتا ہے ہرگز نہیں، البتہ یہ مان سکتا ہوں کہ ایسے شخص کے دماغی قویٰ تیز اور اچھے ہو جاتے ہیں ورنہ ان علوم کو روحانیت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بعض اوقات یہ امور روحانی ترقی کی راہ میں ایک روک ہو جاتے ہیں اور آخری نتیجہ اس کا بجز اس خوش قسمت کے کہ وہ فطرت سلیم رکھتا ہے، اکثر کبر ونخوت ہی دیکھتا ہے، کبھی نیکی اور تواضع ان میں نہیں ہوتی، ایک اور امر قابل یاد رکھنے کے یہ ہے کہ یہ قاعدہ ہے اور قدرت میں داخل ہے کہ ہر چیز ضرورت سے پیدا ہوتی ہے، جس طرح ظاہری طور سے ہم دنیاوی امور میں ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں، یہ لباس، خوراک، سواریاں اور آلات معیشت

جتنے بھی ہیں یہ تمام ضرورت سے پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح سے روحانی امور میں بھی بہت سے امور ضرورت سے پیدا ہوتے ہیں اور جب بھی ضرورت ہوتی ہے وہ خدا کی طرف سے پوری کی جاتی ہے، ضرورت انسان کی روحانی جسمانی تمام امور میں رہنما ہے اور اسی سے حق و باطل میں امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ جس طرح کوئی چیز بلاضرورت اور بے فائدہ نہیں اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ضرورت حقہ کے وقت یہ خیال کرنا کہ خدا نے اس وقت کوئی سامان پیدا نہیں کیا، سخت غلطی ہے۔

اب ہمارا یہ زمانہ جس میں ہم موجود ہیں کیا اندرونی اور کیا بیرونی طور سے اس میں اس قدر مفاسد تبصرے ہوئے ہیں کہ جس پہلو پر نظر ڈالو کوئی بھی خوش کن نہیں، بیرونی طور پر اسلام پر اس قدر حملے ہوئے ہیں اور اسلام نے اس قدر صدمے اٹھائے ہیں کہ بہت بڑا حصہ مسلمانوں کا ان سے متاثر ہو کر خود دین سے ہی ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ پھر ان کے بعد ایک بہت حصہ بذبذب لوگوں کا پیدا ہو چکا ہے جن کو اسلام کے متعلق اطمینان حاصل نہیں اور وہ بالکل کمزور ہیں۔ باقی یقین کامل رکھنے والے اور علیٰ وجہ البصیرت اسلام پر ایمان لانے والے بہت ہی قلیل ہیں۔

کئی قسم کے حملے ہو رہے ہیں۔ منقولات کے اسلحہ اسلام پر چلائے جاتے ہیں اور آریہ اور پادری لوگ اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔ اگرچہ وہ جانتے ہیں کہ خود وہ گندے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں بلکہ نکتہ چینی کرنا سہل ہے مگر خوبی بیان کرنا مشکل۔

علوم جدیدہ کا بھی یہی ایک قسم کا اسلام پر حملہ ہے۔ آج کل کی تعلیم، فلسفہ، طبعی اور ہیئت بھی انسان کو ایک غلطی میں ڈالتی ہیں۔ میں تجربہ سے دیکھ رہا ہوں کہ اکثر لوگ جنہوں نے خواہ مکمل طور پر ان علوم کو حاصل کیا ہو۔ خواہ ناقص طور سے وہ عموماً بے قید زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ اسلام اور آنحضرت صلعم کی عزت ہی ان کے دلوں سے اٹھ جاتی ہے اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ خود خدا سے بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ ان کے کلام سے ہی ایک قسم کی بدبو آتی ہے اور وہ ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہاتھ سے گئے اور کل بھی گئے!

اور درحقیقت اس گروہ کا حملہ آریوں اور پادریوں کے حملوں سے بھی بڑھا ہوتا ہے کیونکہ ان کے اعتراضات عموماً منقولات کے رنگ میں ہوتے ہیں۔ ان میں صدق و کذب کا احتمال ہوتا ہے۔ مگر یہ لوگ تو اپنا ذاتی تجربہ اور روزانہ مشاہدہ پیش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کا اثر بہت سخت اور بُرا پڑتا ہے۔

غرض سچی بات یہی ہے کہ اندرونی حملے بیرونی حملوں سے بہت بڑے ہوئے ہیں۔ اور خطرناک اور زہریلا اثر ڈالنے والے ہیں۔ سچ ہے از ماست کہ بر ماست۔ اصل میں یہ قصور نہ تو مسلمانوں کا ہے جنہوں نے اپنی سادہ لوح اولاد کو بغیر اس کے کہ ان کو قرآن اور اسلام کے ضروری علوم سے آگاہ کریں۔ ان مدرسوں اور کالجوں میں بھیج دیا، مانا طلب علم ہر عورت مرد پر فرض ہے جیسا کہ حدیث **طلب العلم فریضته علی کل مسلم و مسلمته** سے ظاہر ہے مگر اول علوم دینیہ کا حصول فرض ہے جب بچے علوم دینی سے پورے واقف ہو جاویں اور ان کو اسلام کی حقیقت اور نور سے پوری اطلاع ہو جاوے تب ان علوم مروجہ سے پڑھانے کا کوئی حرج نہیں اصل میں ان مسلمانوں کی موجودہ روش بہت ہی خطرناک ہے۔ دیکھو پہلے ایک بازاری عورت کنجری بنا کر پھر توبہ کرائی تو وہ کیسی توبہ کرے گی؟ شراب بدکاری اور بے قید زندگی اس کی عادت ثانی ہو جاوے گی۔ تو اول تو اسے توبہ کرنا ہی مشکل اور کرے بھی تو وہ کیسی توبہ ہو گی؟ اس کو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ یہی حال ان لڑکوں کا ہے جن کو پہلے فلسفہ اور سائنس کے زہریلے علوم سکھا کر خود خدا کی ہستی پر بھی شبہات پیدا کر دیئے جاتے ہیں اور پھر ان سے امید کی جاتی ہے کہ وہ اسلام کے شیفتہ ہوں، ہمارا یہ ایمان ہے کہ کوئی فلسفہ اور سائنس خواہ وہ

اپنی اس موجودہ حالت سے ہزار درجہ ترقی کر جاوے مگر قرآن ایسی ایک کامل کتاب ہے کہ یہ نئے علوم اس پر غالب نہیں آسکتے۔ مگر اس شخص کی نسبت ہم کیونکر ایسی رائے قائم کرسکتے ہیں کہ جس کی نسبت ہمیں معلوم ہے کہ اس کو علوم قرآن سے مس ہی نہیں اور اس سے اس طرف کبھی توجہ نہیں کی بلکہ کبھی ایک سطر بھی قرآن شریف کی غور تدبر سے نہیں پڑھی۔

مثال کے طور پر قرآن کی تعلیم روحانی کا ایک فلسفہ بیان ہوا ہے۔ جو بعد الموت اعمال کے نتیجہ ہیں۔ انسان کو بہشت کے رنگ میں ملے گا جس کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی۔ بظاہر یہ ایک قصہ ہے مگر قصہ نہیں گو کہ قصہ کے رنگ میں آگیا ہے۔ اس کی حقیقت یہی ہے کہ اس وقت کے لوگ علوم روحانی کے نہ جاننے کی وجہ سے نادان بچوں کی طرح تھے۔ ایسے باریک اور روحانی علوم کے سمجھانے کے واسطے ان کے مناسب حال استعاروں سے کام لینا اور مثالوں کے ذریعہ سے اصل حقیقت کو ان کے ذہن نشین کرانا ضروری تھا۔ اس واسطے قرآن شریف نے بہشت کی حقیقت سمجھانے کے واسطے اس طریق کو اختیار کیا کہ **مثل الجنته التی وعد المتقون الخ**۔ یہ ایک مثال ہے نہ کہ حقیقت قرآن شریف کے ان الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ وہ جنت کوئی اور ہی چیز ہے اور حدیث میں صاف یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ان ظاہری جسمانی دنیوی امور پر جنت کا قیاس نہ کیا جاوے کیونکہ وہ ایسی چیز ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی وغیرہ اگر وہ باتیں جن کی مثال دے کر جنت کی نعماء کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ تو ہم دیکھتے ہی ہیں اور سنتے بھی ہیں۔ ایک مقام پر قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ **وبشر الذین اٰمنو وعملو الصلحت ان لھم جنت تجری من تحتھا الانھار**۔ اس آیت میں ایمان کو اعمال صالح کے مقابل پر رکھا ہے۔ جنت اور انہار یعنی ایمان کا نتیجہ تو جنت ہے اور اعمال صالحہ کا نتیجہ انہار ہیں۔ پس جس طرح باغ بغیر نہر اور پانی کے جلدی برباد ہو جانے والی چیز ہے اور دیر پا نہیں۔ اسی طرح ایمان بے عمل صالحہ بھی کسی کام کا نہیں، پھر ایک دوسری جگہ پر ایمان کو اشجار درختوں سے تشبیہہ دی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ ایمان جس کی طرف مسلمانوں کو بلایا جاتا ہے وہ اشجار ہیں۔ اور اعمال صالحہ ان اشجار کی آبپاشی کرتے ہیں۔ غرض اس معاملہ میں جتنا جتنا تدبر کیا جاوے۔ اسی قدر معارف سمجھ میں آویں گے۔ جس طرح سے ایک کرسان کاشتکار کے واسطے ایمان جو کہ روحانیات کی تخم ریزی ضرور اور لازمی ہیں۔ جس طرح کاشتکار کھیت یا باغ وغیرہ کی آبپاشی کرتا ہے۔ اسی طرح روحانی باغ ایمان کی آبپاشی کے واسطے اعمال صالحات کی ضرورت ہے یاد رکھو کہ ایمان بغیر اعمال صالح کے ایسا ہی بدکار ہے جیسا کہ ایک عمدہ باغ بغیر نہر یا کسی دوسرے ذریعہ آبپاشی کے نکما ہے۔

درخت خواہ کتنے ہی عمدہ قسم کے ہوں اور اعلیٰ قسم کے پھل لانے والے ہوں مگر جب مالک آبپاشی کی طرف سے لاپرواہی کرے گا جو اس کا نتیجہ ہوگا وہ سب جانتے ہیں۔ یہی حال روحانی زندگی میں شجر ایمان کا ہے، ایمان ایک درخت ہے جس کے واسطے انسان کے اعمال صالحہ روحانی رنگ میں اس کی آبپاشی کے واسطے نہریں بنکر آبپاشی کا کام کرتے ہیں۔

پھر جس طرح ایک کاشتکار کو تخم ریزی اور آبپاشی کے علاوہ بھی محنت اور کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے روحانی فیوض وبرکات کے ثمرات حسنہ کے حصول کے واسطے یہی مجاہدات لازمی اور ضروری رکھے ہیں چنانچہ فرمایا **والذین جاھد وافینا لنھد ینھم سبلنا** نفس انسانی ایک بیل کی مشابہ ہے اور اس کے تین درجے ہوتے ہیں۔ نفس امارہ مبالغہ کا صیغہ ہے، اور کہتے ہیں بدی کی طرف جانے والا بہت بدی کا حکم کرنے والا۔

دوسری قسم نفس کی لوامہ ہے۔ لوامہ کہتے ہیں، ملامت کرنیوالے کو۔ انسان سے ایک وقت بدی ہو جاتی ہے مگر ساتھ ہی اس کا نفس اس کو اس بدی کی وجہ سے ملامت بھی کرتا ہے اور نادم بھی ہوتا ہے۔ یہ انسانی فطرت میں

رکھا گیا ہے مگر بعض طبائع ایسے بھی ہیں کہ اپنی گندہ حالت اور سیاہ کاریوں کی وجہ سے وہ ایسے محجوب ہو جاتے ہیں کہ ان کی فطرت فطرت سلیم کہلانے کے مستحق نہیں ہوتی۔ ان کو اس ملامت کا احساس ہی نہیں ہوتا مگر شریف الطبع انسان ضرور اس حالت کا احساس کرتا اور بعض اوقات وہی ملامت نفس اس کے واسطے باعث ہدایت ہو کر موجب نجات ہوتی ہے مگر یہ حالت ایسی نہیں کہ اس پر اعتبار کیا جاوے۔

نفس کی ایک تیسری حالت ہے جسے مطمئنہ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اور وہ انسان کو جب حاصل ہوتی ہے کہ انسان نفس امارہ اور پھر نفس لوامہ کے مشکلات کو حل کر جائے اور اس جنگ میں اس کو فتح نصیب ہو، نفس امارہ انسان کا دشمن ہے اور وہ گھر کا پوشیدہ دشمن ہے۔ لوامہ بھی کبھی کبھی دشمنی کا ارادہ کرتا ہے مگر باز آ جاتا ہے مگر برخلاف ان دونوں حالتوں کے جب انسان ترقی کر کے نفس مطمئنہ کے درجہ تک ترقی کر جاتا ہے تو اس کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ گویا اس کا دشمن اس کے زیر ہو گیا۔ اور اس دشمن پر فتح نمایاں حاصل کر لی اور صلح ہو گئی۔ انسانی ترقیات کی آخری حد اور اس کی زندگی کا انتہائی نقطہ اسی بات پر ختم ہوتا ہے کہ انسان حالت مطمئنہ حاصل کرے اور وہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ اس کی رضا خدا کی رضا، اور اس کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہو جاتی ہے۔ اس کا ارادہ خدا کا ارادہ ہوتا ہے اور وہ خدا کے بلائے بولتا اور خدا کے چلائے چلتا ہے۔ تمام افعال حرکات وسکنات اس سے نہیں بلکہ خدا سے سرزد ہوتے ہیں اور انسان کی پہلی حالت پر ایک قسم کی موت وارد ہو جاتی ہے اور ایک نئی زندگی کا جامہ اسے از سر عطا کیا جاتا ہے اور پھر ایسا انسان ایک ممتاز انسان ہو جاتا ہے، غرض قانون قدرت میں ایسا پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے وہ سلسلے پہلو بہ پہلو بنائے ہیں۔ جسمانی اور دوسرا روحانی جو کچھ جسمانی طور سے مہیا ہے وہی روحانی طور سے بھی ہوتا ہے پس جو شخص ان دونوں سلسلوں کو نصب العین کہہ کر کاروبار میں کوشش اور محنت کرے گا وہ جلدی ترقی کرے گا اس کے معلومات وسیع ہوں گے، ہر صورت میں ہر جسمانی کلام ان کے روحانی رو کے مشابہ ہوگا۔

ہم نظام جسمانی میں دیکھتے ہیں کہ جسمانی کاشتکار باوجود ہر قسم کی باقاعدہ محنت ومشقت کے بھی پھر آسمانی پانی کا محتاج رہا ہے۔ اور اگر اس کی نعمتوں اور کوششوں کے ساتھ آسمانی پانی اس کی فصل پر نہ پڑے تو فصل تباہ، محنت برباد ہو جاتی ہے۔ پس یہی حال روحانی رنگ میں ہے۔ انسان کو خشک ایمان کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ جب تک کہ روحانی بارش نازل ہو کر بڑے زور کے نشانات سے اس کے اندرونی گند دھو کہ اس کو صاف نہ کرے۔ **والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع** یعنی قسم ہے آسمان کی جس سے بارش نازل ہوتی ہے اور قسم ہے زمین کی جس سے شگوفہ نکلتا ہے بعض لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے ندامت اٹھاتے ہیں قسم کا مفہوم اصل میں قدیم مقام ہوتا ہے شہادت کے۔ ہم دینوی گورنمنٹ میں دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات مقدمات کے فیصلوں کا حصر ہی قسم پر رکھا جاتا ہے۔

پس اسی طرح سے خدا تعالیٰ بھی بارش آسمانی کی قسم کھا کر نظام جسمانی کی طرح نظام روحانی میں اس بات کو بطور ایک شہادت کے پیش کرتا ہے کہ جس طرح زمین کی سبزی اور کھیتوں کا ہرا بھرا ہونا آسمانی بارش پر موقوف ہے اور اگر آسمانی بارش نہ ہو تو زمین پر کوئی سبزی نہیں رہ سکتی اور زمین مردہ ہو جاتی ہے بلکہ کنوؤں کا پانی بھی خشک ہو جاتا ہے اور دنیا زیر وزبر ہو کر ہلاکت کا باعث ہو جاتا ہے اور لوگ بھوکوں پیاسوں مرتے ہیں۔ قحط کی وجہ سے انسان وحیوان اور پھر چرند پرند اور درند وغیرہ پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ بعینہ اسی طرح سے ایک روحانی سلسلہ بھی ہے۔

یاد رکھو کہ خشک ایمان بجز آسمانی بارش کے جو مکالمہ مخاطبہ کے رنگ میں نازل ہوتی ہے ہرگز ہرگز باعث نجات یا حقیقی راحت کا نہیں ہو سکتا جو لوگ روحانی بارش کے بغیر اور کسی مامور من اللہ کے بغیر نجات پا سکتے ہیں۔ اور ان کو

کسی مزکی اور مامور من اللہ کی ضرورت نہیں ہے سب کچھ ان کے پاس موجود ہے۔ان کو چاہیے کہ پانی بھی اپنے گھروں میں پیدا کرلیا کریں۔ان کو آسمانی بارش کی کیا احتیاج، آنکھوں کے سامنے موجود ہے کہ جسمانی چیزوں کا مدار کن چیزوں پر ہے۔پس اس سے سمجھ لو کہ بعینہ اسی کے مطابق روحانی زندگی کے واسطے بھی لازمی اور لابد اور ضروری ہے۔

انسان کا یہ دعویٰ کہ میں نے سب کچھ سیکھ لیا ہے اور میں نے سارے علوم حاصل کر لئے ہیں۔ بالکل غلط خیال ہے انسان کا علم کیا ہے جس طرح سے سمندر میں ایک سوئی ڈبو کر نکال لی جاوے۔یہی حال انسان کے علم کا ہے کہ اس کو معارف اور حقائق میں سے دیا گیا ہے۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی

کیں راہ کہ تو میری بترکستان است

پھر تعجب آتا ہے کہ بعض لوگ معمولی مروجہ علوم کے پڑھ لینے سے بڑے بڑے دعوے کر بیٹھے ہیں۔حالانکہ دین کی راہ ایک عمیق در عمیق راہ ہے اور اس کے حقائق اور روحانی فلسفہ ایسا نہیں کہ ہر فرد اس کا ماہر ہونے کا دعویٰ کر سکے۔یہ دین آسمان سے ہی آیا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ اس کی سرسبزی کے سامان بھی آسمان ہی سے نازل ہوتے رہیں گے۔ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر زمینی علوم اور مروجہ تعلیم کے پاس کا سوال کیا جاوے تو اکثر اصحاب ایسے نکلیں گے کہ ان کے ماہر ہی ہوں گے، مگر ہمیں اس جگہ ان اصحاب کی خدمت میں کہ وہ زمینی اور دنیوی علوم کے ماہر ہیں۔یہ کہنا ہے کہ

اے کہ خواندی حکمت یونانیاں

حکمت ایمانیاں راہم بخواں

ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل بہت سے ایسے بھی خیالات والے لوگ موجود ہیں کہ ان کی نظر میں دین ایک جنون ہے اور اس کی قدر ان کے دلوں میں نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ عرب کے لوگ وحشی تھے اور امی تھے۔اس وقت ان کی ضرورتوں کے مناسب حال قرآن نازل ہوا۔اب دنیا کے مناسب حال دین میں ترمیم ہونی چاہیے مگر آپ لوگ سن رکھیں کہ دین کوئی لغو نہیں ہے بلکہ دنیا کی حقیقی راحت اور اُخروی نجات اسی دین میں ہی وابستہ ہے وہ عرب کے امی جو اس دین کے سچے خادم تھے۔ان کا امی ہونا بھی ایک معجزہ ہی تھا تا کہ دنیا کو دکھاوے کہ امی لوگوں نے قرآنی تعلیم کے نیچے آ کر کیا کچھ کر دکھایا کہ بڑے بڑے علوم کے مدعیوں سے بھی ان کے مقابلہ میں کچھ بن نہ آیا۔

خدا خوب جانتا تھا کہ اس زمانہ میں کیسے کیسے جدید علوم پیدا ہوں گے اور خود مسلمانوں میں کیسے کیسے خیالات کے لوگ پیدا ہو جائیں گے۔ان سب باتوں کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دے رکھا ہے اور کوئی نئی تحقیقات یا علمی ترقی نہیں۔ جو قرآن شریف کو مغلوب کر سکے اور کوئی صداقت نہیں کہ اب پیدا ہوگئی ہو اور وہ قرآن شریف میں پہلے ہی سے موجود نہ ہو۔

جو راہ قرآن شریف نے پیش کی ہے۔وہ نہ انجیل میں پائی جاتی ہے نہ توریت میں اس کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی دنیا کی کوئی اور کتاب اس کمال اور جامعیت کا دعویٰ کر سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے قرآن شریف کو عطا کی ہے۔قرآن کے مقابل پر ان کا ذکر ہی کیا ہے۔انجیل نے ایک ضعیف ناتوان انسان کو خدا بنایا۔مگر اس کی طاقت کا اندازہ قوم یہود کے مقابلہ سے ہی ہوسکتا ہے۔

دوسری بات اور مایہ ناز انجیل کا، اخلاقی تعلیم تھی مگر وہ ایسی بودی اور نامکمل ہے کہ کوئی صحیح فطرت انسان اس کی پابندی نہیں کر سکتا۔ بلکہ خود پادری صاحبان کا عمل بھی اس تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ مثلاً انجیل تعلیم دیتی ہے کہ اگر تجھے کوئی ایک طمانچہ مارے تو دوسری گال پھیر دے اور اگر کوئی تیرا کرتا مانگے تو اس کو چادر بھی اتار دے۔اگر کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جانا چاہے اور دو کوس اس کے ساتھ چل۔اب ہم اول ان انجیل کی حمایت اور تعریف کرنے والے پادری صاحبوں سے ہی ریافت کرتے کہ ان کا اس تعلیم پر کہاں تک عمل درآمد ہے۔انہوں نے اس تعلیم کا عملی نمونہ کیا دکھایا ہے کہ دوسروں کو بھی اس تعلیم کی طرف بلاتے ہیں۔پھر اسی انجیل میں لکھا ہے کہ تو بدی کا مقابلہ نہ کر۔غرض انجیل

کی تعلیم تفریط کی طرف جھکی ہوئی ہے اور بجز خاص حالات کے تحت ہونے کے انسان اس پر عمل کر ہی نہیں سکتا۔ دوسری طرف توریت کی تعلیم کو دیکھا جاوے تو وہ افراط کی طرف جھکی ہوئی ہے اور اس میں بھی صرف ایک ہی پہلو پر زور دیا گیا ہے کہ جان کے بدلے جان آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت توڑ دیا جاوے اس میں عفو اور درگزر کا نام تک بھی نہیں لیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ کتابیں مختص الزمان اور مختص القوم ہی تھیں۔ مگر قرآن شریف نے ہمیں کیا پاک راہ بتائی ہے، جو افراط اور تفریط سے پاک اور عین فطرت انسانی کے مطابق ہے مثلاً مثال کے طور پر قرآن شریف میں فرمایا ہے جزاءسیئة سیئة مثلھا وعن عفی واصلح فاجرہ علی اللّٰہ یعنی جتنی بدی کی گئی ہو اسی قدر بدی کرنی جائز ہے اگر کوئی معاف کردے تو اس معافی میں اصلاح مدنظر ہو بے محل اور ہر وقت عفو نہ ہو بلکہ برمحل ہو تو ایسے معاف کرنے والے کے واسطے اس کا اجر ہے جو اسی خدا سے ملے گا۔

دیکھو کیسی پاک تعلیم ہے، نہ افراط نہ تفریط، انتقام کی اجازت ہے مگر معافی کی تحریص بھی موجود ہے۔ بشرط اصلاح یہ ایک تیسرا مسلک ہے جو قرآن شریف نے دنیا کے سامنے رکھا ہے۔ اب ایک سلیم الفطرت انسان کا فرض ہے کہ ان میں خود موازنہ اور مقابلہ کر کے دیکھ لے کہ کونسی تعلیم فطرت انسانی کے مطابق ہے اور کونسی ایسی ہے کہ فطرت صحیح اور کانشنس اسے دھکے دیتا ہے۔

یہودیوں میں باپ اپنی اولاد کو وصیت کرتا تھا کہ میرا انتقام میرا بیٹا لے، میرا پوتا لے چنانچہ بعض اوقات بیٹا اور پوتا باپ کے انتقام لیتے تھے غرض کہ توریت میں تو سخت تشدد دکھایا گیا تھا۔ باقی رہی انجیل سو اس کی اخلاقی تعلیم پر ناز کرنے والے نہیں سمجھتے کہ اول تو وہ تعلیم ہی ایسی ناقص ہے کہ بوجہ مختص الزمان اور مختص القوم ہونے کے آج اس کی ضرورت ہی نہیں اور نہ وہ اس وقت اخلاقی تعلیم کہلانے کی مستحق ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تو کوئی شخص نہیں کہ اس تعلیم کا عامل نظر آتا ہو، خود اس کے شفقتہ لوگ ہی اس کا عملی نمونہ پیش کریں۔ اصل میں یہی ہاتھی کے دانت ہیں کھانے کے اور دکھانے کے اور، تاہم فلسفہ حقہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ انسان ایک شاخدار درخت ہے اور انجیل تعلیم اس کی صرف ایک شاخ، کیا باقی قوائے انسانی بیکار ہیں؟

یاد رکھو کہ کل قوائے انسانی اسی خالق فطرت ہی کی طرف سے انسان کو ملے ہیں۔ ان میں ایک قوت غضبی بھی ہے، قوت انتقام بھی ہے یہ قویٰ بیکار یا فضول نہیں ہیں بلکہ ان کی بداعمالی اور ان کا بے محل و بے موقع استعمال برا ہے، انجیل میں تو ایک موقعہ خصی بنجانے کی بھی تعلیم دی گئی ہے اگر سچے عیسائی اس تعلیم کا عملی نمونہ بنتے تو یقین ہے کہ دنیا کا خاتمہ ہی ہو گیا ہوتا، عجیب بات یہ ہے کہ صرف حکم ہی نہیں بلکہ اس عمل پر بڑے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے تو پھر کیا وجہ کہ ایسے کار خیر میں کوئی عیسائی بھی حصہ نہیں لیتا؟

قرآن شریف میں کوئی دکھا تو دے کہ کوئی ایسا حکم بھی دیا گیا ہو جس پر عمل کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہو، یا کوئی ایسا حکم بھی ہو جس کے کرنے سے کوئی قباحت لازم آتی ہو یا نظام دنیا میں فساد کا اندیشہ ہو؟ کیا ایک کتاب جس میں ایسے احکام داخل ہیں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہیں یا ان کے کرنے سے کوئی قباحت لازم آتی ہے اور نظام عالم درہم برہم ہوتا ہے۔ کبھی اس خدا کی طرف منسوب ہوسکتی ہے جو خالق فطرت اور منتظم نظام دنیا اور قوائے انسانی کے پورے انداز سے جاننے والا ہے اور کیا وہ کتاب کامل اور مکمل شریعت کہلانے کی مستحق ہوسکتی ہے؟

لیکن میں اعتراض نہیں کرتا بلکہ میرا مقصد اس بیان سے اس امر کا اظہار ہے کہ یہ دونوں کتابیں صرف ایک ہی خاندان کی تھیں نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ دعوے کیا کہ وہ تمام دنیا کے واسطے رسول ہو کر آئے تھے بلکہ وہ تو صرف اسرائیلی بھیڑوں تک ہی اپنی تعلیم محدود کرتے ہیں، انکا اپنا اقرار موجود ہے بس بلحاظ ضرورت کے ان کو کتاب ملی وہ یہی ایک قانون مختص الزمان اور مختص القوم تھا۔

اب ظاہر ہے کہ ایک چیز جو ایک خاص ضرورت کے لئے ایک خاص زمانے اور امکان کے واسطے آئی تھی۔ اس کو زبردستی اور خواہ مخواہ تمام دنیا پر محیط

ہونے کے واسطے کھینچ تان کی جائے گی تو اس کا لازماً یہی نتیجہ ہوگا کہ وہ اس کام سے عاری رہے گی اور اس بوجھ کے اٹھانے کے واسطے وہ وضع ہی نہیں کی گئی اس کی کیسے متحمل ہوسکے گی اور یہی وجہ ہے کہ ان تعلیمات میں موجودہ زمانہ کے حالات کے ماتحت نقص ہیں۔

مگر قرآن مجید مختص الزمان نہیں اور نہ ہی مختص المکان ہے بلکہ اس کامل اور مکمل کتاب کے لانے والے کا دعویٰ کہ انی رسول اللّٰہ علیکم جمیعاً اور ایک دوسری آیت میں یوں بھی آیا ہے لانـذر کم بہ ومن بلغ یعنی لازمی ہوگا کہ جس کو قرآنی تعلیم پہنچے وہ خواہ کہیں بھی ہو اور کوئی بھی ہو اس تعلیم کی پیروی کو اپنی گردن پر اٹھائے۔

انسانی فطرت کا پورا اور کامل عکس قرآن شریف ہی ہے اگر قرآن نہ بھی آیا ہوتا جب بھی اسی تعلیم کے مطابق انسان سے سوال کیا جاتا کیونکہ یہ ایسی تعلیم ہے جو فطرتوں میں مرکوز اور قانون قدرت کے ہر صفحہ میں مشہور ہے جن کی تعلیمات ناقص اور خاص قوم تک محدود ہیں اور وہ آگے ایک قدم بھی نہیں چل سکتیں۔ ان کی نبوت کا دروازہ بھی ان کے اپنے گھر تک محدود ہے مگر قرآن شریف کہتا ہے ان من امۃ الا خلافیھا نذیر دیکھو یہ کیسی پاک اور دل میں دخل کر جانے والی بات اور کیسا سچا اصول ہے مگر یہ لوگ ہیں کہ خدا کی خدائی کو صرف اپنے ہی گھر تک محدود خیال کرتے ہیں، کہ ہمیشہ وید ہی اتارا جاتا ہے اور صرف چار آدمی ہی اس کام کے واسطے مخصوص ہیں اور ہمیشہ کے واسطے زبان سنسکرت ہی خدا کو پسند آگئی ہے، مجال نہیں کہ خدا کی یہ نعمت وحی والہام کسی اور انسان یا زبان کو مل سکے۔ ان لوگوں کے اعتقاد کے موجب وحی الٰہی اب آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور اب ہمیشہ کے واسطے اس کو مہر لگ چکی ہے مگر یہ لوگ نہیں جانتے کہ اس طرح تو خدا کی ہستی کے ثبوت میں ہی مشکلات پڑ جاویں گے، صرف شنید سے انسان کب مطمئن ہوسکتا ہے اور کامل یقین اور سچی معرفت صرف دوسروں کی زبانی سن لینے سے کہاں میسر آتی ہے۔۔۔۔۔

☆☆☆☆

# امیر قوم کی آواز پر تم بے گماں آؤ

**اعظم علویٰ مرحوم ومغفور**

چمن زارِ اخوت کی بہارِ دلستاں آؤ
جلو میں لے کے آثارِ حیات جاوداں آؤ
دِلوں میں گرمی ایمان و ایقاں کا تقاضا ہے
امیرِ قوم کی آواز پر تم بے گماں، آؤ
چلے آؤ کہ پھر تازہ کریں اسلاف کی یادیں
لئے جوش و خروش بیکراں کی داستاں آؤ
یہاں آؤ کہ مِل جل کر سنواریں گُلشنِ دیں کو
طلسمِ رنگ و بُو میں بَن کے اِک روحِ رواں آؤ
تمہارے دم سے عظمت ہے حریم بزمِ ہستی کی
شعور و شوق کے بام ودر و دیوار و آستاں آؤ
تمہاری رہ گذر ہے منزلِ مقصود کی حامل
لئے جوشِ عمل تم کارواں در کارواں آؤ
نگاہیں اہلِ دُنیا کی تمہاری راہ تکتی ہیں
تقدس کا نشاں بن کر سربزم جہاں آؤ
جنہیں صدق و صفا کی جستجو ہے ان سے کہہ دو
یہیں پر نور ہے، نُورِ خدا لینے یہاں آؤ

☆☆☆☆

# اصلاح رسوم

## جماعت احمدیہ لاہور کا آئندہ دستور العمل

### تقریر حضرت امیر مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ 3 مئی 1929ء

آپ نے سورۂ یٰسٓ کا پہلا رکوع پڑھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا کہ وہ ملک عرب کی مردہ قوم کو دنیا کی اصلاح کے لئے زندہ کرے تو اُس نے اپنے رسول کو بھیجا۔ جس نے نہ صرف ان اعتقادات کو ہی درست کیا اور نہ صرف اعمال کی ہی اصلاح کی بلکہ ان کے گھروں کے اندر جو رسم و رواج مدتوں سے چلے آتے تھے ان کی بھی اصلاح کر دی۔ پرانی سوسائٹی کی جگہ ایک نئی قوم کھڑی کر دی اور پرانے رسوم و رواج کی بجائے نئے حالات پیدا کر دئے۔ آپ دیکھیں گے کہ بعض اوقات قرآن مجید کے اندر بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان رسوم کا تعلق شرک کے ساتھ تھا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف توحید ہی کو قائم کرنا ضروری نہ سمجھا بلکہ وہ تمام امور اور وہ تمام رسم و رواج، جو شرک سے تعلق رکھتی تھیں، ان کی بھی بیخ کنی کر دی اسی لئے قرآن مجید کے اندر اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے۔

## بُری رسم کی جگہ نیک عادات

غور کرو تو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں قوم کے احیاء سے تعلق رکھتی ہیں۔ سورہ یٰسٓ کی آیات پر غور کرو انا جعلنا فی اعناقھم اغللا فھی الی الاذقان فھم مقمحون (8:36) ان کی گردنوں کے اندر طوق ڈالے گئے ہیں وہ طوق ٹھوڑیوں تک پہنچ گئے ہیں۔ پس وہ اُوپر کے اُوپر ہی اُٹھے رہ جاتے ہیں۔ جانتے ہو وہ اغلال کیا ہیں۔ وہ رسم و رواج کی زنجیریں ہیں جو ان کو حق کی اتباع سے روکتی ہیں۔ غرض اصلاح رسوم بڑا بھاری مقصد تھا اسلام کا۔ اور اس معاملہ میں عظیم الشان اصلاح اسلام نے کی۔ اور محض اصلاح ہی نہیں بلکہ ہر ایک بری رسم کی جگہ ایک نیک عادت اُن کے اندر ڈال دی۔

## قومی عادات اور رسم و رواج

یہ رسم و رواج کیا ہے۔ جو فرداً فرداً ان تمام لوگوں کے اندر عادات ہوتی ہیں وہی اس قوم کی رسم و رواج کہلاتی ہیں۔ عادت کے کیا معنی ہیں؟ عود کرنے والی چیز۔ ایک بچے کو کھیلنے کا شوق زیادہ ہے۔ وہ بار باراُس کی طرف جاتا ہے۔ یہ اُس کی عادت ہے۔ فوراً کھیل کی طرف اُس کی طبیعت جائے گی۔ اسی طرح ہماری قومی عادات ہوتی ہیں۔ جب موقعہ آتا ہے، جو چیزیں ہماری قومی عادات میں داخل ہو چکی ہیں، وہ اس بچے کی طرح، جو بار بار کھیل کی طرف جاتا ہے، انسان کو مجبور کر کے اس طرف لے جاتی ہیں۔

## ہماری رسم و رواج

فی الحقیقت آج کل جس قدر رسم و رواج مسلمانوں کے اندر پائے جاتے ہیں ان سب میں اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں پیدائش کے موقعہ پر ختنہ پر، پھر منگنی اور بیاہ اور پھر موت پر بہت سی رسوم عمل میں لائی جاتی ہیں۔ ان رسوم نے ہماری قوم کی اقتصادی حالت کو تباہ کر دیا ہے۔ قوم کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی علاج نہیں کہ سب سے پہلے رسم و رواج کی اصلاح کی جائے۔

## ہندوؤں کی غلامی

رسم و رواج کی ایک بیماری ہے جو ہماری قوم کو کھائے جاتی ہے۔ اگر آج مسلمان قوم ان تباہ کن رسم و رواج کو چھوڑ دے تو یقیناً ہندوؤں کی غلامی سے

3/4 حصہ سے زیادہ گردنیں آزاد ہوجاتی ہیں۔ جس غلامی پر آج کل مسلمان رو رہے ہیں وہ دن بدن مضبوط ہو رہی ہے۔ اس کا بڑا حصہ رسم و رواج سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ان کے اندر اصلاح درحقیقت ایک بڑی بھاری اصلاح ہے۔ اگر اس اصلاح کی طرف آپ توجہ کریں گے تو بہت بڑا کام خدمت قوم کا آپ سر انجام دیں گے۔ مسلمانوں کی بحیثیت قوم یہ حالت ہے کہ غریب ہیں اور سخت نادار ہیں۔ راس المال اُن کے پاس نہیں۔ دفتروں میں دیکھو۔ آفیسر ہندو ہیں اور ماتحت مسلمان۔ اور اس پر مصیبت یہ کہ جو تھوڑا بہت وہ کماتے ہیں وہ کچھ تو کھانے پینے اور کپڑوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا بڑا حصہ برباد ہو جاتا ہے اور وہ کہاں برباد ہوتا ہے۔ برادری کے رسم و رواج پر!

## عزت اور ناک

اگر ان رسم و رواج کو ادا نہ کیا جائے تو ناک کٹتی ہے۔ عزت پر بٹہ لگتا ہے۔ یہ خیال عزت کا ایسا ہوتا ہے کہ انسان سے بڑے بڑے کام کروا دیتا ہے۔ جس شخص کو عزت کا خیال ہو اُسے جان اور مال کی پروا نہیں ہوتی۔ وہ ان چیزوں کے مقابلہ میں عزت کو قائم رکھنا ضروری سمجھتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم اپنی عزت کو ملحوظ نہ رکھو۔ مگر جس چیز کو آپ نے اپنی عزت سمجھ رکھا ہے، فی الحقیقت وہ عزت نہیں۔

## حقیقی برادری

یہ آپ کی برادری جو پانچ دس قبیلوں پر مشتمل ہوگی ایک چھوٹا سا دائرہ ہے۔ اور تمہاری حقیقی برادری وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے اندر پیدا کی۔ اگر تم چاہتے ہو کہ برادری کے اندر تمہاری عزت ہو تو اصل برادری وہ سمجھو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے اندر قائم کی۔ وہ ہمارا روحانی باپ ہے۔ جس نے ہمیں نیکیوں کا راستہ دکھایا۔ اور اصل زندگی ہم کو دی۔ اپنے آباواجداد سے ہم نے جسمانی زندگی لی۔ روحانی زندگی جس پر ہمیں فخر ہے ہم نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لی۔ اس لئے حقیقی برادری وہی ہے جو محمد رسول اللہ نے قائم کی۔ اس لئے کسی کام کو کرتے وقت خواہ وہ بیاہ کا وقت ہو یا موت کا ہمارے حقیقی باپ کا، حکم اور آپؐ کے عمل ہمارے سامنے رہنے چاہئیں۔ اگر اپنی عزت چاہتے ہو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے در سے عزت تلاش کرو۔ حقیقی عزت اس مقدس انسان کی اتباع سے وابستہ ہے جو تمام دنیا کے لئے شفیع بن کر آیا۔

## اموال کی حفاظت

اپنے اموال اور ان اموال کو جن کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اموالکم التی جعل اللہ لکم قیما** (5:4) اُن کو برباد نہ کرو جائز اور واجب طریقوں پر مال کے خرچ کرنے کو قرآن شریف نے اعلیٰ درجہ کی نیکیوں میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ جہاں عبادالرحمٰن کا ذکر فرمایا ہے اور ان کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ وہاں مال کے خرچ کے متعلق بھی فرمایا ہے **والذین اذآ انفقوالم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما** (67:25) عبادالرحمٰن وہ ہیں کہ جب وہ اپنے اموال کو خرچ کرتے ہیں اسراف نہیں کرتے۔ اسراف کے معنی ہیں بے جا خرچ کرنا۔ اگر ایک شخص اپنے مال کو بے جا طور پر خرچ کرتا ہے وہ اسراف کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عبادالرحمٰن کی صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ بخل بھی نہیں کرتے۔ یعنی جہاں خرچ کرنا ہوتا ہے وہاں خرچ کرنے سے نہیں چوکتے۔ اور جو شخص مناسب جگہ پر مال خرچ نہیں کرتا وہ بخیل ہے۔ پس اگر اپنے آپ کو عباد الرحمٰن بنانا چاہتے ہو تو خرچ کرو لیکن بے جا خرچ مت کرو۔ اور جب خرچ کرنے کا موقعہ آئے تو ایک کوڑی بھی نہ بچاؤ۔

## ہمارا نصب العین

رسم و رواج کی اصلاح کا خیال مدت سے اُٹھا ہوا تھا۔ حالات نے اس خیال کو کچھ قوت دی ہے۔ بعض برادریوں میں اسلام کی طرف قدم اُٹھایا جا رہا ہے۔ ایک قوم جو دنیا کے اندر اسلام کے پھیلانے کے لئے اُٹھی ہے، کیا اس کا فرض نہیں کہ وہ رسم و رواج کی بیڑیوں سے قوم کی گردنیں آزاد کردے۔ دیکھو یہاں مختلف اقوام کے لوگ موجود ہیں۔ کوئی پٹھان ہے اور کوئی سید۔ کوئی کچھ

اور کوئی کچھ۔لیکن سب ایک برادری میں ہیں۔ یہ برادری کیوں بنائی گئی ہے۔ یہ اس لئے بنائی گئی ہے کہ خدا کا نام دنیا میں پھیلائے۔ یہ برادری، جو صداقت کی اشاعت کے لئے بنی ہے، آج سے اپنے دل میں عہد کر لے کہ وہ ایک اچھی رسم اور ایک نیک رواج کو دنیا کے اندر جاری کرے گی۔

## ہمارا آئندہ دستور العمل

اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے چند ماہ ہوئے یہاں لاہور کے دوستوں کا ایک اجتماع ہوا تھا۔ اور اس میں بہت سی بحث وتمحیص کے بعد چند امور اپنے اوپر لازم کر لئے گئے تھے۔ جو اخبار پیغام صلح میں شائع بھی ہو گئے تھے۔ ان تمام رسوم کو پیدائش سے لے کر موت تک گنا گیا ہے۔ اور میں نمبروار ہر ایک بات کو پڑھ دیتا ہوں۔ آپ بھی دیکھ لیں۔ اور جو بات پیش کرنی ہو پیش کر لیں۔ اس پر بحث کر لیں۔ پھر اس کے بعد ہماری ساری قوم کے لوگ ان باتوں کا اپنے آپ کو ایسا ہی پابند سمجھیں جس طرح وہ اپنے آپ کو برادری کا پابند سمجھتے تھے۔

## پیدائش کی رسم

پہلا امر جو ہم نے اپنے اوپر فرض کیا ہے وہ یہ کہ پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے بعد برادری کی بھاجی، برادری میں مٹھائی کی تقسیم اور برادری کو کھانا کھلانا، یہ سب رسوم بند کی جائیں۔ پیدائش سے، یعنی ابھی بچہ پیدا ہوا بھی نہیں، فضول رسوم کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر پیدائش پر اور پیدائش کے بعد بہت سی تباہ کن رسمیں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ کھانے اور مٹھائیاں بڑے بڑے طشتوں میں لگا کر ہر گھر میں بھیجی جاتی ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ بھلا اس میں کیا فائدہ؟ جس کے گھر وہ مٹھائی یا کھانے پہنچتے ہیں اس کو کس قدر فائدہ پہنچ گیا۔ لیکن جس غریب نے یہ تقسیم کی اس کے سینکڑوں روپوں پر پانی پھر گیا!

باجہ: اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ باجے، ڈوم اور مراثی پر جو اسراف عمل میں لایا جاتا ہے اُس کو روکا جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارا کس قدر روپیہ ان باجوں اور ڈوموں کی نذر ہو جاتا ہے۔ چاہئے کہ ہم اپنے لوگوں کو اپنی سوسائٹی کا ایک مفید اور کارکن ممبر بنائیں۔

عقیقہ: عقیقہ ذی استطاعت احباب کریں۔ یہ ضروری نہیں کہ قرض لے کر کیا جائے۔ محض گوشت تقسیم کر دیا جائے۔ رشتہ داروں، دوستوں اور مساکین کے درمیان دعوت کی صورت میں کھانا نہ دیا جائے۔

ختنہ: ختنہ کے موقع پر کسی دعوت یا کسی دوسری رسم پر روپیہ برباد نہ کیا جائے۔ دعوتیں کرنا دوستوں اور رشتہ داروں کو جمع کرنا یہ باتیں بربادی کا موجب ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ امیر لوگ کیوں نہ کریں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ جب ایک عادت پڑ جاتی ہے تو پھر غریب بھی تکلیف اُٹھا کر کرتے ہیں۔

ہمارے ملک میں کئی ایک ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بعض نے اپنا سب کچھ بیچ کر ختنے پر لگا دیا۔ اپنے عزیز بھائیوں کی خاطر اس فضولی کو چھوڑ دو۔ تمہارے پاس اگر زیادہ روپیہ ہے تو قوم کے تعمیری کام پر خرچ کرو۔ اشاعت اسلام پر خرچ کرو۔ دیگیں پکا پکا کر لوگوں کو کھانا کھلانا یہ رواج سخت تباہ کن ہیں۔ دیکھو ایک تمہاری فیاضی ایسی ہے کہ جس سے تمہارا روپیہ برباد ہو جاتا ہے اور تم خود تباہ ہو جاتے ہو۔ لیکن دوسری فیاضی ایسی ہے کہ روپیہ ایک مفید کام میں صرف ہوتا ہے۔ اگر تم اپنے کاموں کو انجمن کے سپرد کرو تو وہ موقعہ اور محل پر صرف ہوں گے۔ وہ لوگ جن کو تم کھانا کھلاتے ہو ان کو شاید تمہارے پلاؤ کی ضرورت بھی نہیں۔ وہ پھر بھی اپنا پیٹ بھر لیتے۔ اگر تم اپنی فیاضی کی منظّم صورت اختیار کرو گے تو ایک غریب بھائی کو مرنے سے بچاؤ گے جس کے زندہ رہنے کی کوئی صورت نہیں۔

## بسم اللہ کی رسم

بسم اللہ اور آمین پر کوئی رسم عمل میں نہ لائی جائے۔ نہ شیرینی تقسیم کی جائے اور نہ دعوت دی جائے۔ عام طور پر رواج ہے کہ لڑکے یا لڑکی کی بسم اللہ پر مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں۔ آمین پر بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ جس کانفرنس میں یہ امور طے ہوئے تھے اس میں بعض دوستوں نے کہا تھا کہ اگر ان کو رہنے دیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ لیکن کثرت رائے یہ تھی کہ یہ بھی لوگوں کے اندر رسم بن گئی ہے۔

اس لئے اس کا انسداد بھی ضروری ہے۔ اس لئے اس موقع پر بھی کوئی دعوت نہ دی جائے اور شیرینی وغیرہ تقسیم نہ کی جائے۔

## منگنی کی رسم

منگنی کے موقع پر صرف لڑکی اور لڑکے کے لئے مختصر تحائف کا تبادلہ عمل میں لایا جائے۔ باقی تمام برباد کن رسوم کو ترک کیا جائے۔ منگنی اور شادی کے درمیانی عرصہ میں تہواروں پر کچھ صرف نہ کیا جائے۔

### شادی کی برات

شادی، جس کو دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کی بربادی کہنا چاہئے، اس کے متعلق فیصلہ ہوا تھا کہ برات مختصر ہونی چاہئے۔ براتیوں کی تعداد پچاس سے متجاوز نہ ہو۔ برات جس قدر مختصر ہوگی قابل تعریف ہوگا۔ برات کا بڑا ہونا اب عزت کا نشان نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا مختصر ہونا ہی عزت کا موجب سمجھا جائے گا۔

ولیمہ: ولیمہ کی دعوت پر بڑا اسراف ہوتا ہے۔ بے شمار آدمیوں کو دعوتوں کے رُقعے بھیجے جاتے ہیں۔ اور کس قدر روپیہ برباد کیا جاتا ہے حتی الامکان اس میں کفایت اور اقتصاد سے کام لینا چاہئے۔ اور یہی امر مسنون ہے۔ جب رسول کریم صلعم نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا تو دعوت ولیمہ کے لئے حضرت نے فرمایا کہ اپنے اپنے گھر سے کھانا لے آؤ۔ میں کہتا ہوں کہ کبھی اس مسنون طریق کو بھی عمل میں لاؤ۔ کبھی ایسا بھی کرو جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اس سے تمہاری عزت ہوگی ذلت نہیں ہوگی۔ ولیمہ کے متعلق ہماری قرارداد یہ تھی کہ دعوت ولیمہ پر اپنی ایک ماہ کی آمد سے زیادہ نہ خرچ کیا جائے۔

حق مہر: حق مہر کے متعلق فیصلہ ہوا تھا کہ یہ فرضی اور نمود کے طور پر نہ ہو۔ استطاعت کے موافق اور دینے کی نیت سے مقرر کیا جائے۔ مہر وہ ہونا چاہئے کہ لڑکا اپنی کمائی سے دے۔ یہ جو پچھلے دنوں بچپن کی شادی کا قصہ چھڑا تھا۔ اس کے متعلق جو کچھ بھی معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام بچپن کی شادی کے خلاف ہے۔ جب لڑکا کمانے کے قابل ہو تو شادی کرنی چاہئے۔ فرضی مہر ہزاروں روپے کا باندھ دینا ٹھیک نہیں۔ اس کے علاوہ یہ جو خیال ہے کہ کوئی شرعی مہر ہوتا ہے۔ وہ کوئی چیز نہیں۔ اگر لڑکے کی استطاعت ہے کہ وہ ہزار ہا دے سکتا ہے تو دے۔ اُس کی استطاعت سے بڑھ کر نہ ہو۔ باپ کی استطاعت کا اس میں کوئی سوال نہیں۔ مہر لڑکے کی استطاعت کے مطابق ہونا چاہئے۔

### موت کے بعد کی رسوم

موت پر کوئی رسم نہیں ہوگی۔ قل، دسویں، چالیسویں وغیرہ سب ترک کئے جائیں۔ یہ سب غیر مسنون ہوتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ موت کے موقع پر فوج در فوج لوگ آ اکٹھے ہوتے ہیں۔ جس قدر فکر پیٹ کا ہوتا ہے اس قدر مرنے والے کا غم نہیں ہوتا۔

## نیک رواج قائم کرو

میری یہ نصیحت ہے کہ دنیا کے اندر اچھے کاموں اور اچھے رواج ڈالنے کی کوشش کرو۔ شادی کے اخراجات پر، جو خواہ جہیز کی صورت میں ہوں یا دعوتوں کی شکل میں، 5 فیصد انجمن کو اشاعت اسلام کے لئے آپ نے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ نیا رواج ہے جو ہماری برادری نے قائم کیا ہے۔ اس طرح سے تم ایک نیک سنت کی بنیاد ڈالو گے۔ جس کا ثواب تم کو ملتا رہے گا من سن سنة حسنة فله اجرها ۔ واجر من عمل به ۔ آج آپ جس طریق کا روج ڈالیں گے اس کے مطابق آئندہ لوگ عمل کر سکیں گے۔ اس کا اجر بھی آپ کو ملے گا۔

☆☆☆☆

# آخر گسٹاپو مر گیا

عامر عزیز صاحب (جرمنی)

قدرت خداوندی کے کچھ اسرار ایسے ہیں جن کی حکمت اور حقیقت کو نہ کوئی جان سکتا ہے اور نہ ان تک رسائی ممکن ہے۔انہیں رازوں میں سے ایک راز موت ہے یعنی اختتام زندگی ہے، مالک کائنات نے بس حکم سنا دیا ہے ''کل نفس ذائقۃ الموت'' اس اٹل حقیقت کو نہ تو کوئی روک سکتا ہے اور نہ ہی اس سے بچ سکتا ہے، البتہ موت کو اگر کوئی چیز شکست دے سکتی ہے تو وہ انسان کے اعمال ہیں، انسان کے گزرے دن اسے یا تو ماضی کی دھول میں چھپا دیتے ہیں یا پھر اسے تاریخ کے اوراق میں زندہ رکھتے ہیں۔

دو ماہ قبل مرکزی انجمن کے سیکورٹی سپروائزر بشارت احمد صاحب اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے اور ہمیں مبتلائے غم کر گئے جن کی ذمہ داری دوسروں کی زندگی کی حفاظت کرنا تھی وہ اپنی زندگی کی بازی ہار گئے، مرحوم کی ساری زندگی مدوجزر کی مانند گزری، مگر ایک خوبی ایسی تھی جو ان کی شخصیت کا جز بن گئی تھی اور وہ تھی اصول پسندی اور احساس ذمہ داری۔

آپ مولوی عبدالرحمٰن مرحوم ومغفور کے بیٹے اور میرے ماموں تھے۔ میٹرک کے بعد ملازمت کے حصول کے لئے نکلے تو خدا نے وہ ہنر عطا کیا کہ جس جگہ گئے وہاں سے اپنی مرضی یا پھر اپنی طبیعت کے ہاتھوں نکلے وگرنہ سیمنٹ فیکٹری کی مشینری سے لے کر Heavy Rebuilt فیکٹری کی مشینری کو چلانا اور ان کی مرمت کرنا ان کی کمال مہارت کا حصہ تھا، ملک کے تمام بڑے صنعتی اداروں میں کام کیا۔مشقت اور محنت ان کے خمیر کا حصہ بن چکی تھی ۔ مرحوم زبردست قوت ارادی کے مالک تھے اور جب کوئی ارادہ کر لیتے، تو ان کو اس سے باز رکھنا کارِ ناممکن ہوتا تھا اس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ جوانی میں سگریٹ نوشی کے اس حد تک دلدادہ تھے کہ دن میں چند ڈبیاں ختم کر جانا معمول کی بات تھی۔مگر ایک حادثہ کے بعد ڈاکٹر کے مشورہ پر ایک دن میں اس عادت بد سے اس طرح جان چھڑائی کہ ناقابل یقین بات نظر آتی ہے۔

ایک اور خوبی جو متاثر کن تھی کہ انہیں زندگی میں کبھی حریص نہیں پایا تھا، انہوں نے سادگی اور قناعت سے بھرپور حصہ پایا تھا، صبح تین چار بجے اٹھنا ان کی زندگی کا معمول تھا۔

اسی وجہ سے آپ مسجد میں سب سے پہلے موجود ہوتے تھے۔زندگی کا کثیر حصہ بڑے صنعتی اداروں میں گزارنے کی وجہ سے ڈسپلن ان کی زندگی کا جزو بن گیا تھا اس لئے جب بطور سیکورٹی سپروائزر کے انجمن کی ملازمت اختیار کی تو مرحوم نے اس ڈسپلن کے ذریعہ کام کیا کہ ان کی اس عادت سے بہت سے مہربان بھی ان سے شکوہ کناں رہتے تھے ۔ یہاں تک کہ ایک صاحب نے اس وقت کے اسسٹنٹ سیکرٹری عادل افضل صاحب کو کہا کہ یہ کس گسٹاپو کو تم لوگوں نے اس کام پر لگا دیا ہے۔ان سے کام لینا اور ان کی طبیعت کے مطابق کام لینا محترم انوار احمد صاحب جو سیکورٹی انچارج ہیں کا ہی خاصہ ہے۔مرحوم نے کئی دفعہ اپنے کام سے استعفیٰ دیا جو چند روز انوار احمد صاحب اپنے پاس رکھتے اور چند دنوں بعد انہیں پھر منایا کہ جماعت کی خاطر خدمت کرنا کارِ ثواب ہے اور پھر سے اپنی ذمہ داری سنبھال لیتے تھے۔

بشارت احمد مرحوم نے جماعت کی ملازمت اپنی طبیعت کے برخلاف کی ہے اور جس طرح سے اہم ذمہ داری کو نبھایا میں کبھی اس کا تصور نہیں کر سکتا

تھا۔لوگوں کی تندوتلخ گفتگو، آنے جانے والوں سے الجھنا وہ بھی اپنی ذمہ داری کی خاطر یہ سب کچھ بہت صبر اور حوصلہ چاہتا ہے، مرحوم نے یہ سب کچھ محض جماعت کی خاطر برداشت کیا۔ اللہ ہی ان کو اس کی جزا عطا فرمائے آمین۔

مرحوم کو خدا تعالیٰ نے تخلیقی اور فنی صلاحیتوں سے بھرپور نوازا تھا۔ بڑی سے بڑی مشین اور صنعتی یونٹ میں کام کرنا ان کا مشغلہ بھی تھا اور پیشہ بھی۔

مرحوم کو خدا نے یہ سعادت بھی عطا کی کہ انہوں نے متعدد مرتبہ جامع دارالسلام میں نماز کی امامت کروائی۔ انہیں قرآن کا خاصہ حصہ یاد تھا۔ اور جب کبھی امام صاحب موجود نہ ہوتے تو وہ امامت کی ذمہ داری بھی سرانجام دے دیتے تھے۔

مرحوم کی ایک اہم خوبی سادگی تھی۔ وہ ہر قسم کے تصنع اور دکھاوے سے مبرا تھے۔ اپنے کام خود کرنے کے عادی تھے اور کسی کی مدد اور سہارے کے قائل نہ تھے، زندگی کی آخری سانس تک خودداری سے جیئے اور اپنے کام خود کرتے ہوئے اس دارِ فانی سے چلے گئے۔

آخر گستا پومر گیا اور ہمیں حزیں کر کے اس منزل کو روانہ ہو گیا۔ جہاں جانا بھی سب نے ہے اور واپس بھی نہیں آنا۔

**اللھم اغفرہ وادخلہ فی عبادک الصالحین**

جانے والوں کو نہ روکو کہ بھرم رہ جائے
تم پکارو بھی تو کب اُن کو لوٹ آنا ہے

☆☆☆☆☆

## حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کی جلسہ سالانہ سے متعلق ایک خواہش

جلسہ سالانہ ایک ایسا موقعہ ہے جو اگرچہ صرف تین دن کا اجتماع ہے لیکن اس میں ایک ایسا زبردست ماحول پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ بہت سے بُرے اثرات کو دُور کر کے دلوں پر ایک ایسا نقش کر دیتا ہے جو بعد میں تھوڑی سی توجہ سے سارا سال قائم رہتا ہے۔

ہمارا سالانہ اجتماع عام اجتماعوں کی طرح نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تین دن ایک طرح پر صبح سے شام اور شام سے صبح تک ذکرِ الٰہی کے دِن بن جاتے ہیں۔ تقریروں کی غرض صرف قرآن کریم کی عظمت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، دین کی عظمت کا دلوں پر نقش کرنا ہے۔ نیز بتایا جاتا ہے کہ یہ عظیم الشان کام جو ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی تڑپ یعنی کلمہ حق کا دنیا میں پہنچانا ہے، اس میں ہم نے اب تک کیا کچھ کیا ہے اور آئندہ کیا کچھ کرنا ہے؟

باہم دوستوں کی میل ملاقات ہو تو اس میں بھی یہی ذکر ہو۔ دن ہے تو مسجد میں سب اکٹھے ہو کر خدا کے سامنے گر رہے ہیں۔ رات ہے تو اپنی اپنی جگہ گریہ و زاری کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسلام کا بول بالا کر دے۔ غرض سارے مجمع پر ذکرِ الٰہی کا ایک ایسا رنگ چڑھا ہوا ہوتا ہے جو کسی دوسرے مجمع میں نظر نہیں آتا۔ اس پاکیزہ مجمع میں آپ کے بچے آئیں گے تو یقین رکھیے کہ وہ ایک نہایت نیک اثر لے کر جائیں گے اور مادہ پرستی اور دہریت کی اس زہریلی ہوا کے لئے جس کے اندر انہیں سال بھر رہنا پڑتا ہے یہ ایک نہایت مؤثر تریاق ہے۔

میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر نوجوانوں کو خاص طور پر مخاطب کیا جائے اور انکے سامنے ایک ایسا لائحہ عمل رکھا جائے جس سے وہ اپنے آپ کو خود اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے اپنے عزیزوں اور اقرباء کے لئے، مخلوق خدا کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنا سکیں۔ اس لئے میری یہ خواہش ہے کہ جلسہ سالانہ کے اس موقع پر بارہ سال کے اوپر کے سب نوجوانوں کو شامل کیا جائے۔

# یتیموں، مسکینوں اورمحروموں کی خیر گیری نہ کرنے والا دین کوجھٹلاتا ہے

چوہدری ریاض احمد(لاہور، پاکستان)

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے کیا تونے اس شخص کی حالت پرغور کیا جو دین کوجھٹلاتا ہے۔ یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ پس ان نمازیوں کے لئے تباہی ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ جو دکھاوا کرتے ہیں اور خیرات کوروکتے ہیں۔''(سورۃ الماعون آیت1 تا7)

اس سورۃ مبارکہ میں یتیموں اور مسکینوں کا ذکر کیا گیا ہے۔قرآن میں جو کچھ نبی کریم صلعم سے کہاجاتا ہے وہ تمام امت کے لئے اور تمام وقتوں کے لئے ہوتا ہے۔قرآن مجید، ایک پُرحکمت کتاب ہے۔جس کی حکمت کا دائرہ انتہائی وسیع ہے اور نبی کریم صلعم اس حکمت خداوندی کا شاہکار ہیں۔

نبی کریم صلعم کوبھی یتیمی کے دور سے گزرنا پڑا، آپؐ کے والد ماجد آپؐ کی پیدائش سے بھی پہلے فوت ہوچکے تھے اور آپؐ کی والدہ محترمہ جب آپ صلعم سے جدا ہوئیں تو اس وقت آپ صلعم صرف 6 برس کی عمر کو پہنچے تھے۔معلوم ہوا کہ خود آپ صلعم کی ذات مبارک نے یتیمی میں پرورش پائی۔ اس میں حکمت خداوندی پوشیدہ نظر آتی ہے۔ چنانچہ آپ صلعم سے بڑھ کر معاشرے کے اس محروم طبقے کی مشکلات اور دُکھ درد کو کون جان سکتا تھا۔

اللہ کے قانون قدرت کے مطابق سوسائٹی میں امیر غریب، بڑا چھوٹا، سب شامل ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں مومنوں کو رشتہ داروں اور قریبیوں کے حقوق کی نگہداشت کی تاکید کی ہے وہاں یتیموں اور مسکینوں کے حقوق پر بہت زور دیا ہے۔

دنیا کی یہ اونچ نیچ کسی مصلحت کے تحت خدا نے رکھی ہے، اس سے دنیا کا نظام قائم ہے، ہر دو طبقات ایک دوسرے کے لئے امتحان ہیں۔یتیم انسان ماں باپ کی شفقت سے محروم ہوجاتے ہیں۔ چھوٹی عمر میں ماں کی شفقت اور پیار اور باپ کی محبت اور نگہداشت انسانی کردار کوسنوارنے اور بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جو شخص اس نعمت سے محروم ہوجاتا ہے وہ احساس کمتری کا شکار ہوجاتا ہے۔

مسکینی کی حالت میں بھی انسان لاچار اور بے بس ہوتا ہے۔ وہ زمانہ کے حوادث کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہتا۔مسکین وہ کہلاتا ہے جس کے پاس خاطر خواہ کمائی کے ذرائع نہ ہوں، بعض لوگوں کے پاس ہنر ہوتا ہے لیکن اسے کام میں لانے کے لئے صحیح ٹول نہیں ہوتے یا اس کے پاس ضروری تعلیم یا سرمایا نہیں ہوتا اور وہ سفید پوشی کی وجہ سے کسی کے آگے ہاتھ بھی نہیں پھیلا سکتے یا ان کا کوئی عضو ناکارہ ہوجاتا ہے اور وہ کام کے قابل نہیں رہتا۔

یتیموں اور مسکینوں کی امداد اللہ تعالیٰ نے مومن پر فرض کردی ہے۔

سورۃ البقرہ میں قریبیوں، یتیموں اور مسکینوں پر مال خرچ کرنے کو بڑی نیکی قرار دیا ہے۔فرمایا:''اور اس کی محبت کے لئے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کو غلام آزاد کرنے میں مال دے۔''

(سورۃ البقرہ آیت177)

اسی طرح سورۃ الدھر میں فرمایا:''اور اس کی محبت کی وجہ سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''(سوۃ الدھر8)

غرض شفقت اعلیٰ خلق اللہ کوخدا نے بہت پسند فرمایا ہے اور اسے مومن کا وصف قرار دیا ہے۔

یتیم اور مسکین ہمارے اڑوس پڑوس ہی میں ہوتے ہیں اور ہماری سوسائٹی کا حصہ ہیں۔ ہمارے مشاہدے میں ہوتا ہے کہ فلاں بچہ یا شخص قدرت

خداوندی کے تحت ناگہانی حالات کے تحت یتیم اور مسکین بن جاتا ہے اس میں تقدیر کا ہاتھ ہوتا ہے، اگر بروقت ان کے سر پر دست شفقت نہ رکھا جائے تو یہی لوگ سوسائٹی پر بوجھ بن کر خرابی کا باعث بنتے ہیں۔

مثلاً جنگ کے بعد سینکڑوں بچے یتیم ہوجاتے ہیں اور لاکھوں انسان مسکین بن جاتے ہیں۔ جن کے کاروبار یا روزگار تباہ ہوجاتے ہیں اور وہ بے بس اور لاچار ہوتے ہیں۔ اسی طرح سیلاب، زلزلہ اور دیگر ایسی آفات کی وجہ سے بھی یہی صورت حال سامنے آتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر حکم خداوندی پر پوری قوم عمل درآمد کرے تو ان لوگوں کی محرومی دور ہوسکتی ہے اور معاشرے میں بہتری اور بے سروسامانی کافی حد تک کم ہوسکتی ہے۔

یہاں ذکر ہو رہا ہے اس طبقہ کا جو معاشرے میں رہتے ہوئے محرومی کا شکار ہوجاتے اور اپنے ذرائع یا زور بازو سے کمانے کے قابل نہ ہوں۔ اب ان کی امداد خالی ہمدردی کے دو بول بولنے سے نہیں ہوسکتی جب تک عملی طور پر روپیہ پیسہ سے ان کی امداد نہ کی جائے اور یہ امداد اس کو نہیں کہتے کہ ایک وقت کا کھانا کھلا دیا یا چند ضرورت کے کپڑے خرید کر دے دیئے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں ایک طرح کی محبت، الفت، یگانگت اور مساوات قائم کرنا چاہتا ہے جس سے معاشرے میں اخوت کی فضا قائم ہو اور لوگوں کے درمیان بجائے نفرت اور حسد کے نیکی اور چاہت پیدا ہوجائے۔ اس لئے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔'' (سورۃ البقرہ 43)

پھر فرمایا: ''اور اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے''

(سورۃ البقرہ 3)

یہ ترغیب قرآن میں بار بار دہرائی گئی ہے۔ اور مومن کی تعریف میں فرمایا:

''اور اس کی محبت کی وجہ سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

''ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کی خاطر کھانا کھلاتے ہیں ہم نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ ہی شکریہ'' (سورۃ الدھر 8,9)

یہاں مومنوں کے خلوص کو بتایا ہے اور یہی ہیں جو مخلصین لہ الدین کہلاتے ہیں۔ بلا کسی غرض کے مخلوق کی خدمت کرنا۔

پھر سورۃ البلد میں جہاں اونچی گھاٹی پر چڑھنے کا ذکر ہے یعنی بظاہر مشکل لیکن بلندترین مقام ہے وہاں بھی ان ہی چیزوں کو دہرایہ ''کسی گردن کا آزاد کرنا یا بھوک کے دن میں کھانا کھلانا قریبی یتیم کو یا مٹی سے ملے ہوئے مسکین کو''۔ (سورۃ البدر 11 تا 16)

جیسے میں نے پہلے عرض کیا ایک دن کے کھانا کھلانے سے کچھ نہیں بنتا بلکہ مستقل طور پر ان کی محتاجی دور کرنے کا حکم ہے۔ مثلاً گردن تو اسی طرح چھڑائی جاسکتی ہے کہ قیدی پر اگر جرمانہ ہے تو اسے ادا کردیا جائے یا اس کے مقدمہ کی پیروی کرکے رہائی دلائی جائے۔

اسی کے تحت آج کل سوسائٹیاں بنی ہیں۔

سورۃ الضحیٰ میں فرمایا:

''اس نے تجھے یتیم پایا سو پناہ دی اور تجھے طالب پایا تو راستہ بتایا، تنگ دست پایا تو غنی کیا، سو یتیم پر سختی نہ کر، سوالی کو نہ ڈانٹ'' (سورۃ الضحیٰ 6 تا 10)

یہ تعلیم دراصل ہمارے لئے ہے۔ ایسی حالت ہر انسان پر آتی ہے یا آسکتی ہے کہ وہ مشکلات میں گھر جاتا ہے اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو خدا ہی ہے جو انسان کو راستہ دکھلاتا ہے اور مدد کرتا ہے چنانچہ جب ہم اس قابل ہوں تو شکر گزاری اسی میں ہے کہ محروم طبقہ سے اظہار ہمدردی اور ان کی بہتری کی ہر ممکن کوشش کی جائے یہی دین کی غرض ہے یعنی یتیم اور سائل کی ہر ممکن مدد کی جائے۔

فرمایا:

''کیا تو نے اس شخص کی حالت پر غور کیا جو دین کو جھٹلاتا ہے، یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے'' (سورۃ الماعون 1 تا 2)

یہاں تعجب اور استفسار کے رنگ میں سوال کیا گیا ہے۔ وہ اس لئے کہ جس شخص کا ذکر ہو رہا ہے وہ کہنے کو تو مسلمان اور مومن کہلاتا ہے بس اس کی اصلیت اس کے ظاہر سے مختلف ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص مسلمان

کھلائے اور اسے حقوق العباد کا پتہ نہ ہو دوسرے لفظوں میں اسے شفقت علی خلق اللہ بجالانے میں تعامل ہو۔یعنی یہ جانتے ہوئے کہ اس کے مال میں یتیم کا حصہ بھی ہے وہ نظر انداز کرتا ہے غریبوں اور مسکینوں اور یتیموں کی فلاح بہبود کی طرف اس کا کوئی دھیان نہیں۔

ایسا شخص گویا سمجھتا ہے کہ میں تو اس کی ایسی حالت کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ اسے خدا نے بنایا ہی ایسا ہے۔دین کی روح کو نہ پہچاننا گویا دین کو جھٹلانا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حقوق اللہ کی بات نہیں کی ،نماز روزہ حج زکوٰۃ اپنی جگہ یہاں حقوق العباد کی بات ہو رہی ہے۔گویا کہ دونوں کی بجا آوری لازم وملزم ہیں۔ انسان حقوق اللہ بجالائے اور حقوق العباد کو نظر انداز کرے تو بے معنی ہے اسی طرح پر حقوق العباد ادا کرے۔حقوق اللہ ادا نہ کرے تو بے معنی ہے۔

’’ایسے نمازیوں کے لئے تباہی ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں‘‘

(سورۃ الماعون 4تا5)

نماز کا اصل مقصد انسانی کردار اور اخلاق کو سنوارنا ہے۔نماز وہ ہے جو انسان میں عاجزی وانکساری،مروت،غمگساری پیدا کرتی ہے۔اللہ کے آگے سر بسجود ہونے کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ نرمی ،رحم اور خدمت کا جذبہ پیدا ہو،خدا نے ہمیں نعمتیں عطا کی ہیں تو ہم دوسروں کو دیں گے اور اگر وہ ہمیں دیتا ہی نہ تو آپ بھی کسی سے مانگ رہے ہوتے تو کیا ہوتا۔

آیئے ہم نبی کریم صلعم کے یتیموں اور مسکینوں کے متعلق طرز عمل پر نظر ڈالتے ہیں۔

عمرے سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلعم نے مکہ سے واپسی کا ارادہ فرمایا تو ایک لڑکی چچا چچا کہتی ہوئی دوڑتی چلی آئی۔یہ حضرت امیر حمزہ کی بیٹی ہے۔یہ دیکھتے ہوئے حضرت جعفر طیارؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ بچی مجھے ملنی چاہیے کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔میں اس کی دیکھ بھال بہتر طریق پر کرسکتا ہوں۔وہ اس لئے کہ میرے گھر میں اس کی خالہ ہے۔

دوسری طرف حضرت زیدؓ نے درخواست کی کہ بچی انہیں دی جائے کیونکہ اس کے والد میرے دینی بھائی تھے۔حضرت علی کا اسرار جاری تھا کہ چونکہ بچی میری گود میں آئی ہے لہذا یہ مجھے ہی ملنی چاہیے۔حضور صلعم نے سب کی باتوں کو غور سے سنا پھر بچی کو اس کی خالہ کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔حضور صلعم کے دل میں یتیم کے لئے بے حد رحم وکرم موجزن تھا۔

بشیر ابن عقربہؓ کا بیان ہے کہ میں غزوہ احد کی وہ شام فراموش نہیں کرسکتا جو بیک وقت میری بد نصیبی اور پھر خوش نصیبی کی شام تھی۔احد کے میدان میں سناٹے کا عالم تھا۔سب شہید دفن کے لئے جاچکے تھے۔اور بعض شہدا کی لاشیں ان کے وارث مدینہ لے جارہے تھے۔حضور صلعم ایک چٹان پر تشریف فرما تھے۔میری عمر اس وقت 12 سال کے قریب تھی۔میری آنکھیں اپنے والد کی تلاش میں تھیں۔میرے والد گھر سے جہاد میں حصہ لینے کو آئے تھے۔اسی تگ ودو میں میں حضور صلعم کے قریب جا پہنچا۔سلام عرض کیا۔حضور صلعم نے مجھے پہچان لیا۔ میں نے عرض کیا کہ میرے باپ کا کیا حال ہے۔آپ صلعم کی نگاہیں جھک گئیں فرمایا بیٹا وہ شہید ہوگئے ان پر خدا کی رحمت ہو۔

میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔کیا میں یتیم ہوگیا؟میرا کیا ہوگا؟زندگی کیسے گزرے گی؟کون میرا سہارا بنے گا؟تو میں رونے لگا۔

حضور صلعم نے میری یہ حالت دیکھی تو اُٹھ کھڑے ہوئے۔میرے قریب تشریف لائے اور مجھے سینے سے لگالیا۔میرے سر پر ہاتھ پھیرا پھر مجھے اپنے ساتھ سواری پر بٹھایا اور کہا بشیر کیا تجھے پسند نہیں کہ آج سے میں تیرا باپ ہوں اور سیدہ عائشہؓ تیری ماں ،مجھے ایسے لگا جیسے دو جہانوں کی خوشیاں مجھے مل گئیں۔میں نے اپنا باپ کھویا تو بد نصیب تھا لیکن اللہ نے مجھے ایسا باپ عطا کیا جس کی نظیر اولین وآخرین میں نہیں مل سکتی۔

## یتیم کے متعلق نبی کریم صلعم کی نصائح

بھلا دنیا میں ایسا کون شخص ہوگا جسے اچھے گھر کی خواہش نہ ہو جس میں ہر آسائش ہو اور پھر خواہش ہوتی ہے کہ گھر امن کا گہوارہ ہو، باہمی محبت اور الفت ہو،ایک دوسرے کی غمگساری کا جذبہ ہو،اور آپس میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

لیکن انسانی طبیعتیں اتنی مختلف ہوتی ہیں اور پھر تربیت کے فقدان کی وجہ سے گھروں میں باہمی رنجشیں اور تنازعے شروع ہوجاتے ہیں گھر جہنم نار بن جاتا ہے گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے لیکن جس گھر میں سکون نہیں وہاں دلوں میں راحت کہاں ہوسکتی ہے۔

گھر کو پر سکون بنانے کا ایک نسخہ حضور صلعم نے ہمیں بتایا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کے گھروں میں سب سے بہتر وہ گھر ہے جس میں کوئی یتیم رہتا ہو، اور پھر اس سے اچھا سلوک بھی کیا جاتا ہو اور مسلمانوں میں سب سے بُرا گھر وہ ہے جس میں یتیم تو رہتا ہو مگر اس سے بدسلوکی کی جارہی ہو۔ مشکوۃ شریف میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضور صلعم کی خدمت حاضر ہوا اور کہا حضور صلعم میرا دل بہت سخت ہے میں کیا کروں، جانتے ہیں حضور نے کیا کہا۔

آپ نے فرمایا کہ یتیم کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا کرو اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرو، تمہارے دل کی بیماری دور ہوجائے گی، کسی یتیم کی کفالت کا ذمہ لے لینا اسے اپنے گھر رکھنے کے برابر ہے۔

نسائی میں حضرت خویلد بن عمروؓ سے روایت ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے اللہ میں دو کمزور قسم کے لوگوں کے حق کو محترم قرار دیتا ہوں، یتیم اور بیوی کے حق کو، اسلام سے پہلے یہ دونوں طبقے نہایت مظلوم تھے۔

لوگ یتیموں کا مال ہڑپ کر لیتے اور پھر ان پر طرح طرح کے مظالم کرتے۔ اسی طرح اپنی بیوی کے حقوق پامال کرتے اور ان سے بدسلوکی کرتے اور انہیں ستاتے، اسلام نے ان دونوں طبقوں کی دستگیری کی اور انہیں معاشرے میں باعزت مقام دیا جس کا تصور کسی اور مہذب معاشرے میں نہیں پایا جاتا۔

ایک حدیث میں ہے، یتیم پر ظلم ہوتا ہو تو اللہ کا عرش کانپنے لگتا ہے کیونکہ اللہ کے سوا اس کا کوئی والی وارث نہیں ہوتا۔

جو خیرات کو روکتے ہیں، ماموں ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کو کہتے ہیں جو ہم ایک دوسرے سے مانگتے ہیں، مثلاً گھر کی اشیاء اور ماموں کے معنی زکوٰۃ کئے گئے ہیں۔

چھوٹی بڑی چیزیں، برتنے کی، پہننے کی، گھریلو استعمال کی ایک دوسرے سے مانگنے کے بارے میں امام بخاری اپنی کتاب میں الگ باب باندھا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس ایک گاڑھے کی کرتی تھی، شادی بیاہ کہ موقع پر جب کبھی دلہن کو بنانے سنوارنے کا موقع آتا اور اچھے جوڑے کی ضرورت پڑتی تو صحابیات حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور ان سے یہ کرتی مانگ کرلے جاتیں۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے ایک دفعہ ارشاد ہوا مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں جب کوئی کسی کو سلام کرے تو دوسرا اس سے بہتر جواب دے اور ماعون کا انکار نہ کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ماعون سے کیا مراد ہے ارشاد ہوا پتھر، لوہا اور ایسی ہی دیگر چیزیں، صحابہؓ نے عرض کیا حضور صلعم کچھ تفصیل فرمادیں۔ فرمایا روزمرہ کے برتنے کی چیزیں جیسے پتیل، کدال، دیگچیاں اور ایسی چیزوں کے مانگنے کو ہم ماعون کہتے ہیں۔ روزمرہ زندگی میں معمول ہے کہ انسان اپنی ضرورت پوری کرنے کو عزیزوں اور پڑوسیوں سے کچھ وقت کے لئے ایسی چیزیں مانگ لیتا ہے مثلاً کرسیاں، میز، برتن، کھانے پینے کی اشیاء۔

قبیلہ نمیر کا ایک وفد حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جاتے وقت کہا حضور ہمیں کوئی نصیحت فرمایئے۔

ارشاد ہوا سورۃ ماعون میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو قیامت کو جھٹلاتا ہے۔ وہ اس لئے کہ اسے آخرت میں حساب کتاب کا خوف نہیں، اسی وجہ سے دنیا میں اس کی سنگدلی کا یہ عالم ہے کہ یتیموں کا مال ہڑپ کرجاتا ہے اور کبھی ان کو بے گھر کردیتا ہے، کبھی کسی یتیم اور مسکین کو دو لقمے نہیں کھلاتا۔

صحابہ برتنے کی چیزیں ایک دوسرے کو دیا کرتے، یہی حال امہات المومنین کا بھی تھا، مسلمانوں کو یہ سکھایا گیا ہے کہ سب مسلمان ایک سوسائٹی کا فرد اور آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لئے ایک دوسرے کے کام آنا چاہیے۔

ماعون کے معنی زکوٰۃ کے بھی کئے گئے ہیں اگر یہ معنی لئے جائیں تو زکوٰۃ

نہ دینے والوں کو سخت تنبیہہ کی گئی ہے۔ کوئی شخص زکوٰۃ دینے کے قابل ہے اور نہ دے تو اس کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ جو شخص ماعون نہیں دے سکتا وہ زکوٰۃ کیا دے گا۔

نماز اور زکوٰۃ کا حکم قرآن میں اٹھ آیا ہے اس میں سے کسی ایک پر عمل کرنا دوسرے پر عمل نہ کرنا، دونوں کی نفی ہے۔ یہ حکم تقریباً 70 مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ اس لئے ماعون پر عمل نہ کرنے والے کی نماز کو ریاؤن کہا کہ وہ دکھاوے کی نماز ہے۔ مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اگر وہ نماز کی اصل روح پر عمل پیرا ہوں تو ضرور ماعون پر بھی عمل کریں اور اگر وہ نماز تو پڑھتے ہیں، زکوٰۃ نہیں دیتے اور دوسری سب خرابیوں، دھوکہ فریب، کم تولنا، ملاوٹ، رشوت، جھوٹ سب باتوں سے اجتناب نہیں کرتا تو یہ دکھلاوے کی نماز ہوگی جو خدا کو سخت ناپسند ہے، جو نماز انسان کی برائیاں دور نہیں کرتی تو وہ ریا کاری میں شامل ہوگی اور وہ کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ لفظ ریا کاری اور اداکاری کتنے ملتے جلتے لفظ ہیں۔

جیسے نماز میں ریا کاری یہ ہے کہ دل کہیں اور ہے اور نماز پڑھی جارہی ہے تو اس سے روح پر کیا اثر ہوگا۔ اسی طرح اداکاری کرتے وقت جو کچھ انسان کررہا ہوتا ہے وہ صرف دکھاوے کے لئے ہوتا ہے۔

اسلام کا تو حکم ہے کہ اگر کسی کے پاس دودھ دینے والے جانور ہوں تو وہ ان کے دودھ سے خود ہی فائدہ نہ اٹھائے بلکہ دوسروں کو بھی اس میں سے حصہ دے۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس سواری کا جانور ہو تو خود بھی سواری کرے اور کوئی مانگے تو اسے بھی دے۔

ان ساری باتوں کا مقصد ہے انسانوں کے درمیان عزت واحترام، اخوت، بھائی چارہ پیدا ہو، یہی دین کا مقصد ہے۔

☆☆☆☆

# احمدیت میں کیا پایا؟

نہ پوچھو کہ کیا احمدیت میں پایا؟<br>
خدا کی محبت ، محمدؐ کا سایہ،<br>
بہت دُور و نزدیک دیکھا نہ پایا،<br>
صداقت کا جوہر یہیں ہاتھ آیا،<br>
نہ پوچھو کہ کیا احمدیت میں پایا؟

خلوص و محبت ، اخوت کی دنیا،<br>
زمانہ میں شرف و شرافت کی دُنیا،<br>
غمِ دین و صبر و قناعت کی دُنیا،<br>
یہ غم میری دُنیا میں طوفان بھی لایا،<br>
نہ پوچھو کہ کیا احمدیت میں پایا؟

یہ طوفان بنتے ، بکھرتے رہے،<br>
بہت سے بھنور بھی اُبھرتے رہے،<br>
میرے کام پھر بھی سنورتے رہے،<br>
ابھر کر تلاطم نے ساحل دکھایا،<br>
نہ پوچھو کہ کیا احمدیت میں پایا؟

(''محمد اعظم علوی''، پیغام صلح ۲۲ اپریل ۱۹۸۱ء)

# اجتماعی رُوحانیت بڑی مفید چیز ہے

## ہمارا سالانہ دعائیہ ایک امر جامع ہے

## حضرت ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم ومغفور کا ایک دلکش مضمون

جماعت میں برکت ہوا کرتی ہے۔ جماعت میں سے ایک کی کمزوری دوسرے کی قوت کے ساتھ مل کر کمزوری نہیں رہتی بلکہ قوت سے مبدل ہو جاتی ہے۔ کسی جماعت پر اگر چور یا ڈاکو حملہ کریں تو طاقتوروں کی معیت کمزور کی بھی حفاظت کا موجب ہو جاتی ہے۔ جب تک کوئی نہایت درجہ قوی روحانیت کا انسان نہ ہو اس کی تنہائی اس کی روحانیت کے لئے خطرہ سے خالی نہیں۔ اکیلے آدمی پر شیطانی وساوس اور غفلت و سستی کے حملے کارگر ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ طرح طرح کے وساوس کا شکار ہو کر اور غفلت و سستی کے اثر سے مذہب سے بیگانہ اور روحانیت سے عاری ہو جاتا ہے یا کم سے کم اس میں وہ مذہبی جوش باقی نہیں رہتا جو ایک اسلامی مجاہد میں ہونا چاہیے۔

اسی لئے اسلام نے جماعت پر بڑا زور دیا ہے۔ اگرچہ نماز بندہ کا اپنے رب کے ساتھ ذاتی تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن پانچ وقت میں بھی نماز کا ایک حصہ باجماعت کر دیا تا کہ رب کے ساتھ تعلق جوڑنے میں بھی جماعت کی اجتماعی روحانیت سے ایک کمزور روحانیت کا انسان فائدہ اٹھا سکے اور اھدنا الصراط المستقیم کی دعا مانگتے وقت برگزیدگانِ الٰہی کی دعاؤں کے ساتھ ایک گنہگار کی دعا بھی شرفِ قبولیت حاصل کر سکے۔ اس کی مثال میں مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بہت فیاض اور سخی تھیں۔ آپ کا یہ دستور تھا کہ جو کچھ وظیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں آپ کو بھیجتے اور بعض دفعہ بڑی بڑی رقمیں بھی بھیجتے مگر آپ سب خدا کی راہ میں دے دیتیں اور خود فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرتیں۔ آپ کے ایک بھتیجے تھے انہوں نے ایک دفعہ شکایت کی کہ آپ سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیتی ہیں۔ ہمارے لئے پیچھے ترکہ کیا چھوڑیں گی۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت رنج ہوا اور اپنے بھتیجے کی اس حب دنیا سے اس قدر بیزار ہوئیں کہ اسے کہہ دیا کہ آئندہ میرے گھر میں نہ گھسنا۔

وہ بھتیجے صاحب بعد میں بہت پچھتائے اور معافی وغیرہ طلب کرنی چاہی۔ لیکن چونکہ مکان میں داخلہ ہی بند تھا اس لئے کامیابی نہ ہوئی جب اس نے آنا چاہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منع کر دیا کہ میرے گھر میں نہ گھسو۔ اس نے بعض صحابہؓ سے عرض کی۔ انہوں نے ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر جمع ہو کر درخواست کی کہ ہم سب کو اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ ان میں وہ بھتیجا بھی تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت اندر آنے کی دے دی، اندر داخل ہوتے ہی بھتیجے نے معافی مانگی اور صحابہؓ نے سفارش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو معافی مل گئی۔ گویا جماعت کے ساتھ وہ رد کیا ہوا بھتیجا بھی باریابی پا گیا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو جماعت کھڑی ہوتی ہے۔ اس میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی۔ ان نیکوں کی دعا کے ساتھ بدوں کی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ دعا ایک اجتماع کی مشترکہ اور متفقہ دعا ہوتی ہے۔ اس کو شیخ سعدی صاحب نے اس طرح فرمایا ہے:

شنیدم کہ در روز امید وبیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

پس جماعت کے نیکوں کے ساتھ گنہگار بھی جناب الٰہی کے دربار میں شرفِ باریابی پا جاتے ہیں۔ جس طرح خدا کی رحمت کی بارش جب برستی ہے تو

باغ میں جہاں پھولوں اور پودوں پر برستی ہے وہاں روڑی پر بھی برس جاتی ہے۔
اسی طرح جناب الٰہی کی مغفرت اور رحمت کی بارش جب ایک جماعت پر ہونے لگتی ہے تو نیکوں اور بدوں پر ہو جاتی ہے۔ پس جماعت کی نماز، جماعت کی دعا، جماعت کے ساتھ مل کر کوئی خدمت دین کرنے میں جو فضلِ ربی کی ہوا اس جماعت پر چلتی ہے۔ تو چھوٹے اور بڑے، نیک اور بد سب پر کرم گستری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو حضرت مسیح موعودؑ نے نہایت زور سے اپنی جماعت کے لئے سالانہ جلسہ کی بنیاد رکھی۔ اور ۳ دسمبر ۱۸۹۱ء کو ایک اعلان کے ذریعے اس جلسہ کی اہمیت کو اپنے دوستوں کے ذہن نشین کرنا چاہا۔ فرماتے ہیں:

''اور چونکہ ہر ایک کے لئے بباعث ضعف یا کمی مقدرت یا بعد مسافت یہ میسر نہیں آسکتا کہ وہ صحبت میں آکر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اٹھا کر ملاقات کے لئے آوے لہٰذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کے لئے مقرر کئے جاویں۔ جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں۔ حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کے سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہیے۔ اور اس جلسہ میں ایسے حقائق و معارف کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں۔ اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جلشانہ کوشش کی جائے گی۔ اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاءاللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے۔''

حضرت اقدسؑ کی زندگی میں تو اس روحانی جلسہ کی اہمیت جو کچھ تھی وہ حضرت کے اس اعلان سے ظاہر ہے۔ وہ کمی جو حضرت اقدس کی صحبت میں بار بار حاضر نہ ہو سکنے کی وجہ سے جماعت کے بعض افراد میں وہ جانے کا احتمال تھا اس کی اس روحانی جلسہ کے ذریعہ آپ نے تلافی کرنی چاہی تھی لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ کی صحبت کا فیض جب جماعت سے بکلی منقطع ہو چکا تو ظاہر ہے کہ اس جلسہ روحانی کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی تا کہ احباب باہم ملنے سے ایک دوسرے کی روحانیت اور صحبت سے فائدہ اٹھائیں۔

مولانا نورالدین مرحوم اپنا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے۔ میں کچھ عرصہ ان کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔ کئی دن کے بعد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھتے ہی فرمانے لگے کہ کبھی قصائی کی دکان پر گئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر اسی سوال کو دہرایا اور بار بار دہرایا۔ میں حیران رہ گیا۔ تنہائی میں میں نے ان سے دریافت کیا کہ اس سوال سے حضور کا مقصد کیا تھا؟ فرمانے لگے کہ قصائی کی دکان پر اگر گئے ہو تو دیکھا ہوگا کہ وہ تھوڑی دیر بعد اپنی چھریوں کو ایک دوسرے سے رگڑ لیتا ہے تا کہ جو زنگ ان پر چڑھ جاتا ہے آپس کی رگڑ سے دُور ہو جائے۔ اسی طرح مومن کے قلب پر ہمہ وقت غفلت اور کسلی اور طرح طرح کے وساوس شیطانی کا رنگ چڑھتا رہتا ہے۔ مومنین کے آپس میں ملتے رہنے سے ان کی روحانیت کی باہمی رگڑ سے وہ زنگ اتر جاتا ہے اس لئے ایک مومن کو دوسرے مومن سے بار بار اور جلد جلد ملتے رہنا چاہیے تا کہ ایک دوسرے کی روحانیت باہمی رگڑ سے مصفا اور مجلّا رہے۔

## مضمون نگار حضرات کی خدمت میں گذارش

احباب و خواتین جماعت سے درخواست ہے کہ موجودہ حالات و مسائل کے پیش نظر مضامین لکھ کر ارسال فرمائیں۔ یہ آپ کا اخبار ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ متنوع بنانے کے لئے تعاون کی ضرورت ہے۔

پیغام صلح کے معیار کو بلند رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن آپ کے تعاون کے بغیر اس کے معیار کو مزید بلند کرنا ممکن نہیں۔ اپنے قیمتی مضامین ایڈیٹر پیغام صلح کے نام ارسال فرمائیں۔

ایڈیٹر پیغام صلح

# احمدیت ایک نفع رساں تحریک

ایاز عزیز صاحب (لاہور، پاکستان)

ترجمہ: ''وہ بادل سے پانی اتارتا ہے پھر نالے اپنے اپنے اندازے کے مواقف بہہ نکلتے ہیں پس سیلاب جھاگ کو اوپر اٹھا دیتا ہے اور اس میں جسے آگ میں تپاتے ہیں زیور یا اور سامان بنانے کے لئے اسی طرح جھاگ ہوتا ہے، اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال دیتا ہے سو جھاگ تو رائیگاں جاتا ہے اور وہ پانی جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے زمین میں ٹھہرا رہتا ہے، اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔'' (سورۃ الرعد آیت 17)

جو چیز لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے گویا حق کی علامت یہ ہے کہ وہ نفع پہنچاتا ہے اور چونکہ نفع پہنچاتا ہے اس لئے زمین میں قائم رہتا ہے اور کوئی مخالفت کی طاقت اسے دنیا سے نابود نہیں کر سکتی کیونکہ جو چیز نافع ہو اسے خدا کی حکمت ضائع نہیں ہونے دیتی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کا بھی ثبوت ہے کہ وہ نافع چیز کو دنیا میں قائم رکھتا ہے۔ اگر یہ کارخانہ قدرت خود بخود ہوتا اور کسی ہستی بالا کے قبضہ اقتدار میں نہ ہوتا تو نافع چیز کا قائم رہنا ممکن نہ ہوتا۔

جو بھی چیز نفع دینے والی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اُسے دنیا میں قائم رکھتا ہے جس طرح سے اس آیت میں آیا ہے ''اور وہ پانی جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔''

احمدیت بھی ایک نفع رساں جماعت اور تحریک ہے جس نے اسلام اور انسانیت کو بے حد نفع پہنچایا جس کی وجہ سے وہ ایک سو سال کے زائد عرصہ سے اس دنیا میں قائم و دائم ہے اور اپنا کام کر رہی ہے۔'' احمدیت نے اسلام میں بے شمار تجدیدی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

کچھ یوم قبل ایک نوجوان سے سنا کہ فلاں نے کہیں جا کر اعلان کر دیا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں اور احمدیت کے نام کو چھوڑتا ہوں تو میں نے اس سے پوچھا کہ کیوں؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ کہتا ہے کہ جب عام مسلمان میں اور احمدیوں کے عقائد میں کوئی فرق نہیں ہے تو پھر میں نے اپنے ساتھ سے احمدیت کا لفظ ہٹا دیا ہے باقی میرے اور آپ کے عقائد وہی ہیں۔ یہ ایک بہت سخت غلط قسم کا رجحان ہے اور یہ اس وجہ سے آیا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو علم ہی نہیں ہے کہ احمدیت نے کیا کیا ہے۔ اس تحریک نے اسلام میں مسلمانوں کے اندر اور غیر مسلم دنیا میں کیا کارنامے انجام دیئے ہیں، کیا تجدید کی ہے جس کے لئے احمدیت کے ساتھ وابستہ رہنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ احمدیت کے عقائد عین اسلامی عقائد ہیں، اس بارے میں میں اپنے پاس سے کوئی عقائد پیش نہیں کرتا بلکہ حضرت صاحب کی چند کتب سے حوالہ جات پیش کرتا ہوں۔

حضرت صاحب اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں فرماتے ہیں:

''ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل توفیق باری تعالیٰ اس عالم گزران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ رحمت مرتبہ تمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم الکتب سماوی ہے اور ایک شوشہ یا ایک نکتہ اس کی شرائط وحدود اور احکام اور عوامل سے زیادہ نہیں ہوسکتا اور نہ کم ہوسکتا ہے۔ کوئی ایسی وحی یا کوئی ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہوسکتا

# 14 اگست 2016ء کے چند مناظر
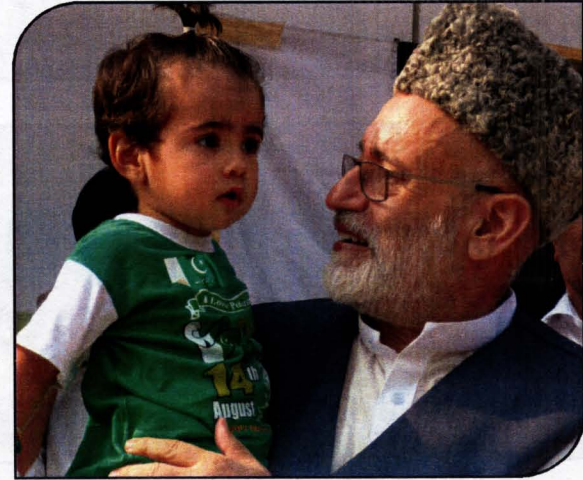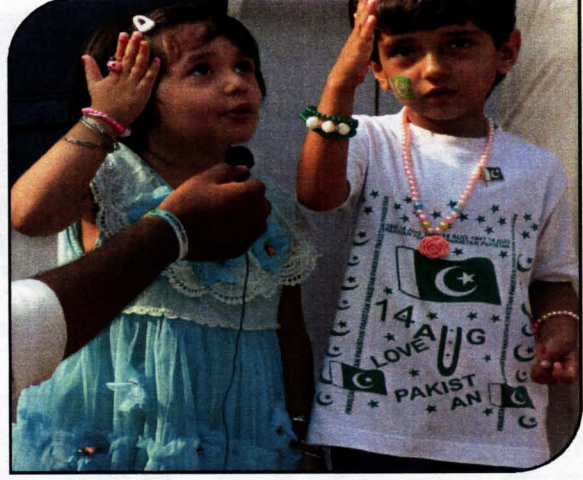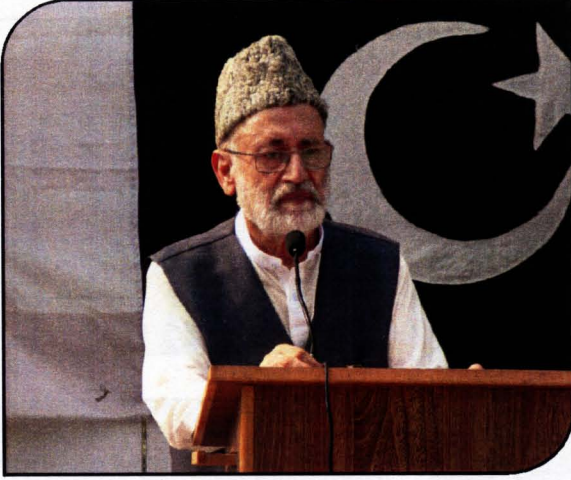
## جلسہ سالانہ 2015ء کی چند جھلکیاں

# مقررین
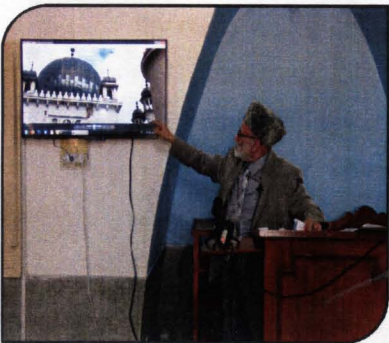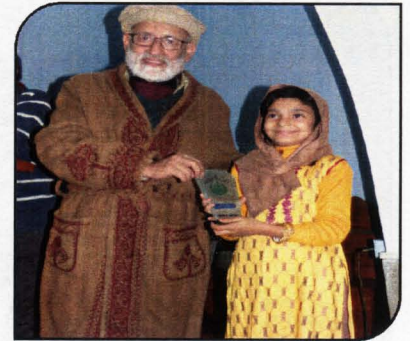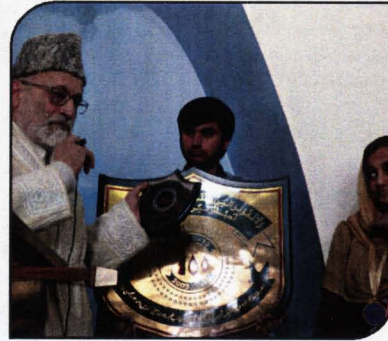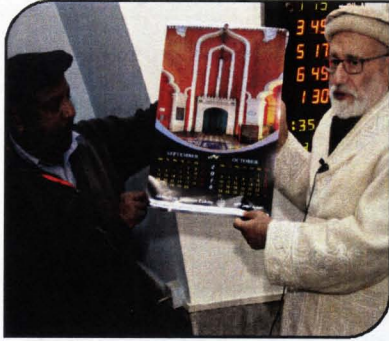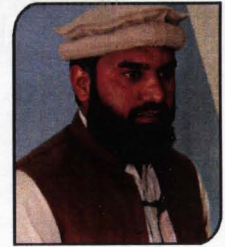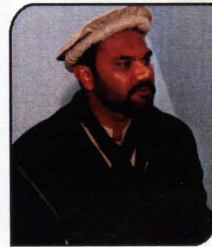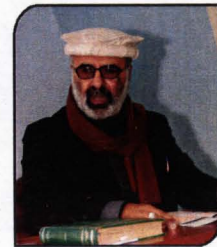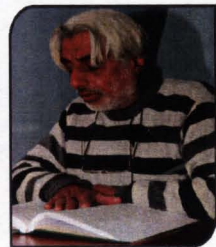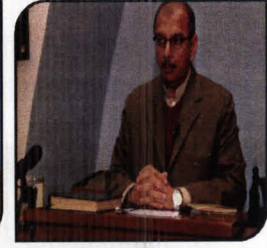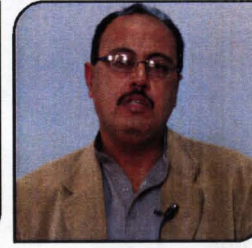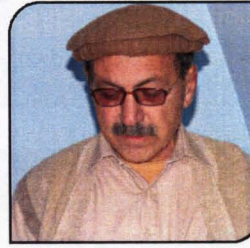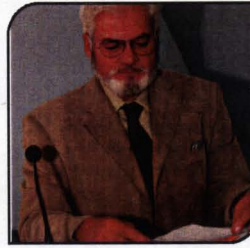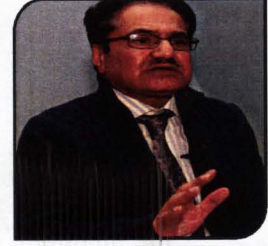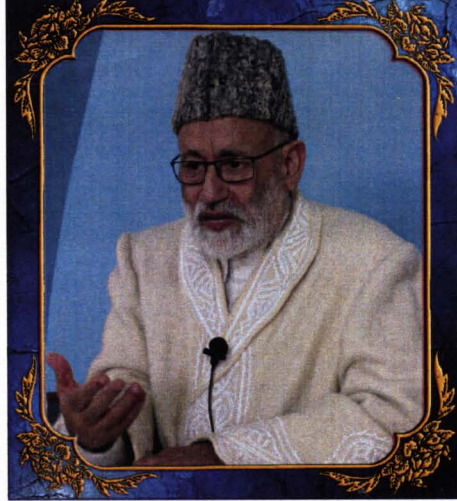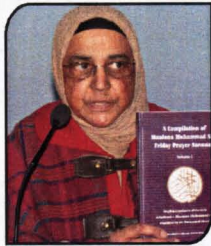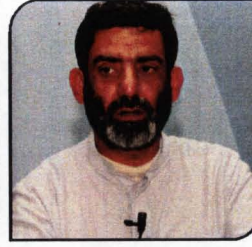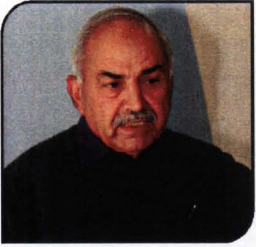
# تربیتی کورس 2016ء کے مناظر
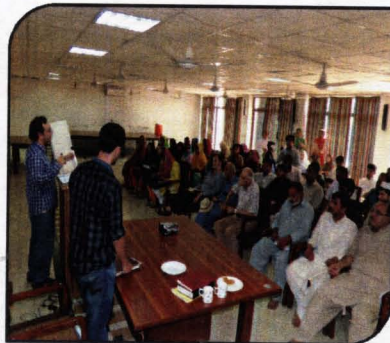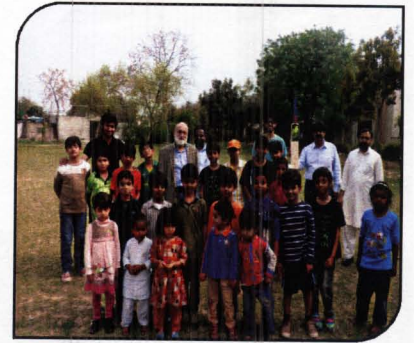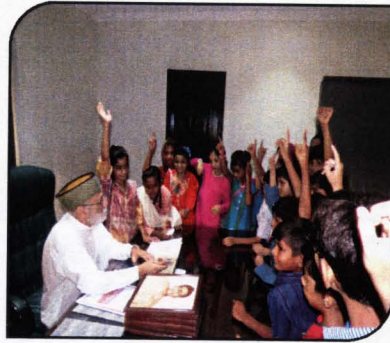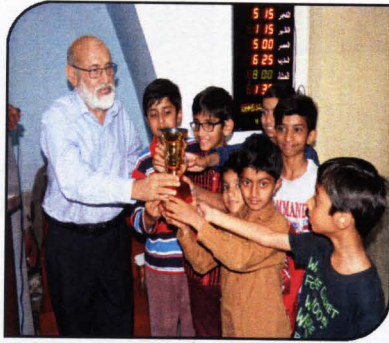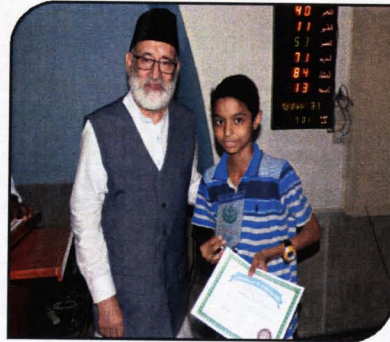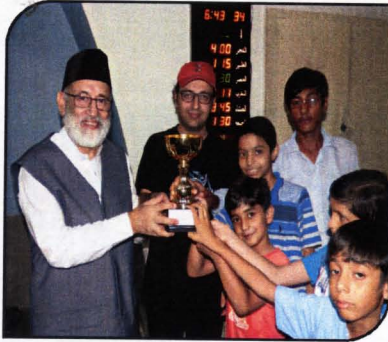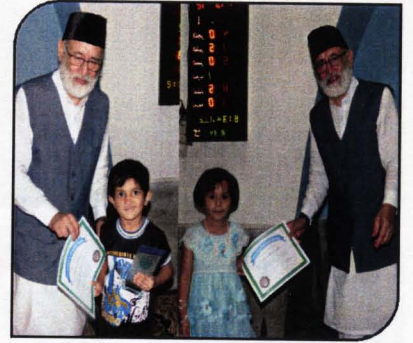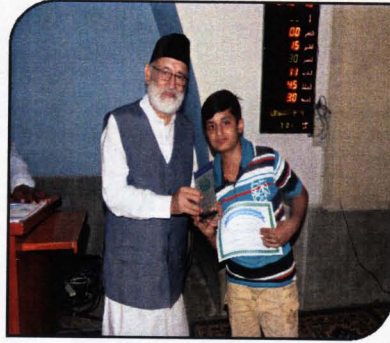
# تربیتی کورس 2016ء کے مناظر
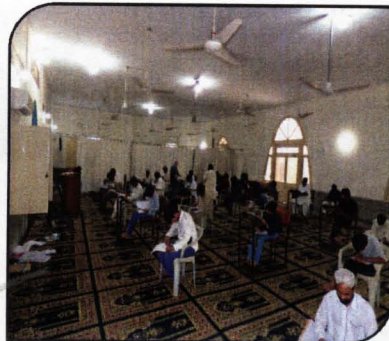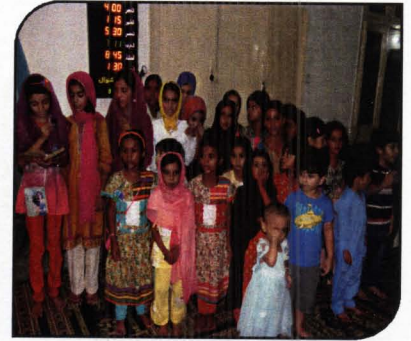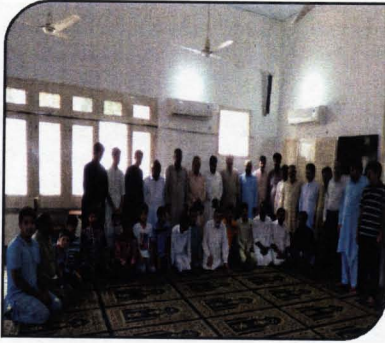
## برلن مسجد جرمنی کی مختلف تقریبات کی ایک جھلک

# رجسٹریشن احمدیہ انجمن اشاعت اسلام برلن
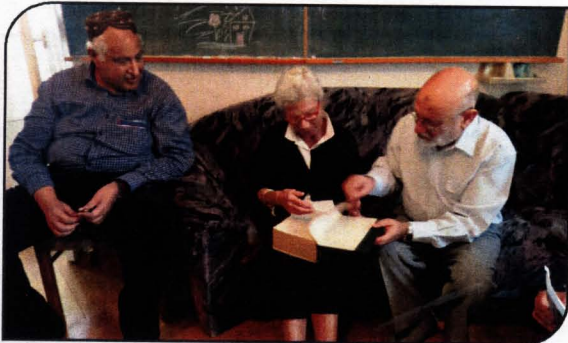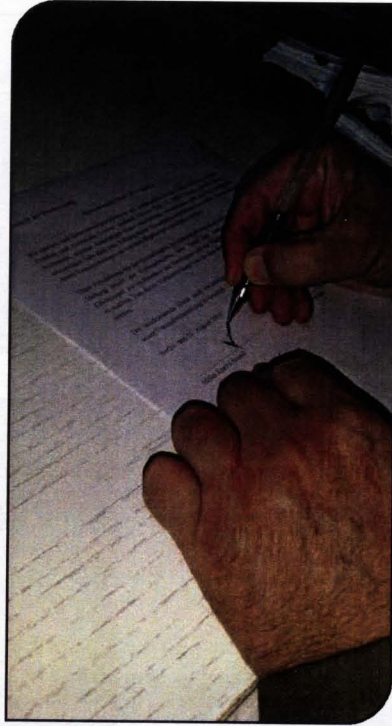
# ایمسٹرڈیم مسجد ہالینڈ کی افتتاحی تقریب کی چند جھلکیاں

جو کہ کامل فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کو تبدیل و تغیر کر سکتا ہو۔''

دوسری کتاب میں فرماتے ہیں:

''نہ مجھے دعویٰ نبوت وخروج عظمت اور نہ میں منکر معجزات و ملائک اور نہ میں لیلۃ القدر سے انکاری ہوں اور آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آں جناب صلعم کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا اور قرآن کریم کا ایک شوشہ یا لفظ منسوخ نہیں، ہاں محدث آئیں گے جو اللہ جل اللہ شانہ سے ہم کلام ہوں گے اور نبوت تامہ کے بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں اور بالحاظ بعض وجوہ شان نبوت کے رنگ سے رنگین کیے جاتے ہیں۔(نشان آسمانی)

واضح رہے کہ ہم نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت صلعم کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں او روحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمد یہ اور باتباع آں جناب صلعم کے ملتی ہے اس کے ہم قائل ہیں اور اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگائے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے غرض نبوت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں صرف ولایت اور مجددیت کا ہے۔اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگائے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے غرض نبوت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں صرف ولایت اور مجددیت کا ہے۔''(تیسرا اشتہار'' اپریل 1897ء)

یہ میں نے تینوں حوالجات 1901ء کے پہلے کے لکھے ہیں ۔1902ء کے بعد کی تحریرات میں سے کچھ حوالہ جات یہ ہیں:

''ہم مسلمان ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور فرقان پر ایمان لاتے ہیں کہ ہمارے مولیٰ اور آقا محمد صلعم اس کے نبی اور رسول ہیں اور یہ کہ وہ بہترین دین لے کر آئے ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ آپ صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں مگر یہ کہ میں اس کے فیض سے پرورش یافتہ ہوں اور اس کے وعدہ کے موافق ظاہر ہوا۔اللہ تعالیٰ اس امت میں اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ کرتا ہے اور ان کو نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے اور وہ درحقیقت نبی نہیں ہوتے کیونکہ قرآن نے شریعت کو کمال تک پہنچا دیا ہے اور انہیں سوائے فہم قرآن کے اور کچھ نہیں دیا جاتا اور وہ نہ اس پر کچھ بڑھاتے ہیں نہ اس سے کچھ کم کرتے ہیں اور جو بڑھاتا ہے اور گھٹاتا ہے وہ بدکار شیطانوں میں سے ہے۔''(مواہب الرحمٰن)

''تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گزر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی کیونکہ نبوت محمد یہ ان سب پر مشتمل اور حاوی ہے اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اسی کے اندر ہیں نہ اس کے بعد کوئی نئی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں اس لئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہیے تھا کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لئے ایک انجام بھی ہے۔''(الوصیت)

جس نے ہمارے نبی صلعم کو سب نبیوں کے آخر میں بھیجا تا تمام کو آپؐ کے جھنڈے کے نیچے اکھٹا کرے''(حقیقت الوحی)

یہ وہ تمام حوالجات ہیں اور وہ عقائد جو حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کے ہیں جو انہوں نے اپنی زندگی میں وفات سے چند دن پہلے تک بیان کیے اور کبھی آپ نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا نہ 1901ء سے پہلے اور نہ 1901ء کے بعد۔اب ان تحریرات کے ذریعے جو عقائد سامنے آتے ہیں جو کہ جماعت احمدیہ لاہور کے ہیں اور یہی عقائد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے تھے۔

(ا): اسلام دنیا کا آخری مذہب ہے۔قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور آنحضرت صلعم خدا کے آخری نبی ہیں۔نہ اسلام کے بعد کوئی اور دین آ سکتا ہے نہ قرآن کے بعد کوئی کتاب آسکتی ہے اور نہ آنحضرت صلعم کے

بعد کوئی اور نبی آسکتا ہے نیا ہو یا پرانہ۔

(۲): اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی تشریف آوری سے قبل دنیا کے ہر قوم میں نبی اور رسول بھیجے جن میں سے صرف چند ایک نام قرآن کریم میں ہیں اور سب سے آخر محمد مصطفیٰ صلعم کو خود دنیا کی طرف بھیجا تا کہ دنیا کی ساری قومیں ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہوں۔

(۳): اللہ تعالیٰ کی صفت کلام اس کی دوسری صفات کے طرح کبھی معطل نہیں ہوئی اور نہ کبھی ہوگی وہ ہمیشہ کلام کرتا رہا اور اب بھی اپنے برگزیدہ بندوں سے کرتا ہے اور آئندہ بھی کرے گا'' یعنی اللہ جو لوگوں سے کلام کرتا ہے اس کی یہ صفت کبھی معطل نہیں ہوئی ۔ یہ بھی ایک عقیدہ مسلمانوں میں رواج پا گیا تھا کہ وحی باہر سے نہیں آتی بلکہ انسان کے دل کے اندر سے اٹھنے والی چیز ہے۔ آج بھی یہ ایک بہت بڑے گروہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلام کرنا چھوڑ دیا ہے۔

(۴): ''مگر ایسے کلام کرنے والے لوگ نبی نہیں ہوں گے''

(۵): ''تمام صحابہ اور تمام بزرگان دین یکساں قابل عزت ہیں ہاں وہ انبیاء کی طرح معصوم ان الخطاء نہیں۔''

(۶): تمام اسلامی فرقے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل، مسلمان ہیں اور کسی شخص کو حق نہیں کہ وہ کسی کلمہ گو شخص کو کافر کہے۔''

(۷): حدیث **ان اللہ یبعث ھذہ الامۃ علی رائس کل مائۃ سنئۃ من یجدد لھا دینھا** کے ماتحت اس امت میں ہر صدی کے سر پر اصلاح کے لئے مجدد ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ اس چودھویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی تحریک احمدیت ہیں۔''

آخر عامتہ المسلین اور ہمارے اندر کیا فرق ہے؟ اگر آج ہم یہاں سے باہر جاتے ہیں اور جماعت چھوڑتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا نفع ملتا ہے، نفع صرف یہی مل سکتا ہے کہ لوگ جو آتے جاتے گالیاں دیتے ہیں وہ بند کردیں گے۔

احمدیت نے جتنی تجدید اسلام کے اندر کی، اتنی تجدید پچھلے چودہ سو سال میں اسلام میں کسی اور تحریک اور شخص نے نہیں کی۔ اہل سنت میں اکثر لوگ ائمہ کرام جنہیں ائمہ ربعہ کہتے (چار امام امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام مالک کے ماننے والے ہیں) ان چار اماموں کے مقلدین میں یہ غلطی پیدا ہو چکی تھی کہ یہ لوگ ان ائمہ ربعہ کے اجتہاد کو بعض وقت قرآن و حدیث کے اوپر فوقیت دیتے تھے۔

دوسرا جو گروہ ہے جس نے تقلید کو چھوڑا جنہیں غیر مقلدین یا اہل حدیث کہا جاتا ہے۔ آج کل یہ ذہن میں رکھیں کہ عام طور پر اہل حدیث نے یہ بیان کرنا شروع کر دیا کہ وہ قرآن کو مقدم رکھتے ہیں اور حدیث کو تابع رکھتے ہیں تو یہ سراسر جھوٹ ہے۔ اس کے لئے اگر کسی نے کتاب دیکھنی ہو تو وہ ''مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی'' کا مطالعہ کرے اس کتاب سے یہ واضح ہو جائے گا کہ وہ حدیث کو قرآن کے تابع نہیں کرتے تھے۔

ایک تیسرا گروہ ہے جس نے ان دونوں چیزوں کو ردی میں پھینکنے کے قابل قرار دے دیا کہ حدیث اور آئمہ کا اجتہاد دونوں ردی میں پھینکنے کے قابل چیزیں ہیں لیکن اگر ہم ان کی بعض اپنی تفاسیر دیکھیں تو ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیس بیس صفحے لکھ دیتے ہیں مگر صرف حدیث کو نہیں بیان کرتے یہ اہل قرآن کہلاتے ہیں۔

ان تینوں کے درمیان جو سب سے بڑی اندرونی اصلاح ہے جو حضرت صاحب نے کی کہ ان تینوں کو صحیح مرتبہ پر قائم کیا ہے کہ اسلام کا اصول کیا ہے؟

''سب پر مقدم اور سب سے پہلے جس چیز پر رجوع کیا جائے وہ قرآن کریم ہے۔ ہر مسلمان کا حق ہے کہ اس کتاب کو پڑھے اور اس سے روشنی

حاصل کرے۔ حدیث بھی بلاشبہ علوم دین کا بڑا حصہ اپنے اندر رکھتی ہے مگر وہ قرآن کی طرح محفوظ نہیں اور اصول دین کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے حدیث کا تعلق زیادہ تر فروع سے ہے۔ وہ دینی مسائل جو عمل سے متعلقہ ہیں۔ اس لئے حدیث قرآن کریم پر پرکھی جائے گی اور جو حدیث قرآن کریم کے مخالف ہو خواہ وہ بروئے روایت کیسی ہی پایا کی ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔ حدیث کے نیچے اجتہاد کا مرتبہ ہے جس کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے کیونکہ نئی ضرورتیں ہمیشہ دنیا میں پیش آتی رہیں گی اور ان کے لئے نئے اجتہاد کی ضرورت بھی ہوگی اور اجتہاد کا اصل واول ماخذ قرآن کریم ہی ہوگا اس کے بعد حدیث اور کوئی بھی اجتہاد خلاف قرآن وحدیث قبول نہ ہوگا۔''

یہ وہ مذہب ہے جس کے اوپر حضرت صاحب نے قائم کیا۔ اس سے پہلے قرآن کو چھوڑ کر اندھا دھند تقلید میں قرآن کریم کو بھول چکے تھے۔

دوسری تجدید جو حضرت صاحب نے کی وہ ناسخ ومنسوخ کا مسئلہ ہے۔ عام مسلمانوں میں یہ عقیدہ راسخ ہو گیا تھا کہ قرآن کی بعض آیات نے بعض کو منسوخ کر دیا ہے۔ بہت آیات تھیں وہ منسوخ تھیں وہ ہوتے ہوتے پانچ پر پہنچ گئیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ قرآن کریم کی کوئی ایک آیت، کوئی لفظ، کوئی نکتہ منسوخ نہیں اور نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ''اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پایا جاتا'' کیونکہ یہ نص صریح ہے کہ قرآن کریم میں اختلاف نہیں اور جب اختلاف نہیں تو کوئی آیت بھی ایسی نہیں ہوسکتی جن میں تطبیق نہ دی جاسکے۔

عام طور پر یہ ہوا کہ جب کچھ آیات کو دوسری آیات کے ساتھ تطبیق نہ دی جاسکی تو مفسرین نے ان کو منسوخ قرار دے دیا۔ یہ بھی تجدید احمدیت نے کی کہ قرآن مجید کی کوئی آیت، کوئی لفظ منسوخ نہیں۔

تیسری جو سب سے بڑی بیماری اس امت میں پیدا ہو گئی تھی وہ ہے تکفیر بازی۔ کسی بھی مسلمان کو کافر کہہ دینا اسلام کے اندر اس کا علاج صرف ایک ہی شخص نے کیا اور اس کا اصول بھی صرف ایک شخص نے بتایا کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہو اس کو کوئی کافر نہیں کہہ سکتا۔ یہ مرزا غلام احمد قادیانیؒ کی تجدید ہے۔ آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اسلام کی ایک ایسی زبردست وجہ ہے کہ اس کے بالمقابل ایک شخص میں کفر کی 99 وجوہ بھی ہوں تو ایسا شخص مسلمان ہی کہلائے گا اور وہ کافر یعنی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔

اس کے بعد جو ایک بڑا اعتراض جو غیر مسلم اقوام کی طرف سے اسلام کے خلاف ہوتا رہا وہ ہے اسلام تلوار سے قائم ہوا اور پھیلا جب کسی اور فرقے سے بات کرتے ہیں تو ان کے مطابق پتہ چلتا ہے کہ جب تک ہم نے تلوار اٹھائی رکھی تب تک ہم نے دنیا میں فتح حاصل کی اور جس دن ہم نے تلوار رکھی ہم زوال پذیر ہو گئے۔ اس کا بھی جواب حضرت مرزا صاحب نے دیا کہ اسلام کبھی تلوار کے ساتھ نہیں پھیلا اور اسلام کی ظاہری شوکت اس کی روحانی طاقت کا نتیجہ تھی اور اس چیز کو مخالفین اسلام نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اسلام پھیلانے کے لئے کبھی مسلمانوں نے تلوار کا استعمال نہیں کیا ہے۔ مگر آہستہ آہستہ مسلمانوں نے یہ خیال کر لیا کہ اسلام تلوار سے قائم ہوا اور آئندہ تلوار ہی سے قائم رہے گا چنانچہ مہدی کے تلوار کے ساتھ مبعوث ہونے کا عقیدہ اسی غلطی کا نتیجہ ہے جسے غلطی کے ساتھ اسلام کی شان وشوکت کا نشان سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ یہی وہ بات ہے جو غیر مسلموں میں اسلام کی طرف سے تنفر پیدا کرتی ہے۔ اور اسی لئے مخالفین اسلام کا سب سے بڑا اعتراض اسلام پر یہی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ تحریک احمدیت نے اس بات کو نہایت صفائی سے ثابت کر دکھایا کہ اسلام اپنی اشاعت میں کبھی تلوار کا محتاج نہیں ہوا اور نہ مہدی کا تلوار لے کر ظاہر ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت صاحب کے بعد جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے اس کے اوپر بہت کچھ لکھا گیا کہ اسلام نہ تو تلوار سے پھیلا ہے اور نہ آئندہ اسلام کو

پھیلانے کے لئے تلوار اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد آپ سب لوگوں کے علم میں ہے کہ بہت بڑی تجدید وفات مسیح ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر موجود ہونا یہ عیسائیت کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا ہتھیار تھا۔ خود قرآن کہتا ہے کہ ''ان کے جسم ایسے نہ تھے کہ وہ کھانے کے محتاج نہ ہوں یا ان میں تغیر نہ آتا ہو'' کوئی بھی ایسا نبی نہیں گزرا جسے کھانے کی ضرورت نہ ہو اور یا جس کا جسم تغیر پذیر نہ ہو جس کے جسم میں تبدیلی نہ آتی ہو۔ جب آپ یہ عقیدہ رکھ لیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ جسد عنصری کے ساتھ موجود ہیں، ان کے جسم میں تغیر نہیں آتا، جس عمر میں گئے تھے اسی عمر میں واپس آئیں گے تو قرآن کی اسی آیت کے تحت آپ کو ماننا پڑ جائے گا کہ وہ بشر رسول نہیں ہیں بلکہ ان کے اندر خدائی صفات ہیں۔ یہ وہ عقیدہ تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت قسم کی مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ وفات مسیح ثابت کر کے آپ نے اسلام کا دفاع کیا اور بہت بڑی تجدید کی۔

حضرت صاحب نے اپنی جماعت کے اندر جمہوریت کا نظام قائم کیا اور اپنے تمام اثاثہ جات، اپنے تمام معاملات انجمن کے حوالے کر دیئے۔ جماعت احمدیہ لاہور کی وجہ سے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ زندہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں، کوئی مسلمان کلمہ گو کافر نہیں (ربوہ والوں کے مطابق ''اور کوئی کچھ بھی نہیں تھا، اور کوئی اختلاف نہیں تھا صرف مولانا خلافت چاہتے تھے'') اگر مولانا خلافت چاہتے ہوتے تو ان کو یہاں پر 20 ہزار کی جماعت مل گئی تھی۔ اور اس بیس ہزار کی جماعت کو بھی انہوں نے حضرت صاحب کی قائم کردہ انجمن کے تحت چلایا۔ مجلس معتمدین کے رجسٹر نکال کر دیکھ لیجئے کہ ان کے ساتھ کیا کیا ہوتا رہا ہے۔ ایسی کوئی گدی انہوں نے قائم نہیں کی، ایک روپیہ بھی انہوں نے اپنے اوپر استعمال نہیں کیا۔ ہمارے نوجوان بچے یہ ذہن میں رکھیں کہ عامۃ المسلمین میں بہت بڑا فرق ہے اور ہم بہت بڑے Prospective میں کام کرتے ہیں جس کے متعلق عام مسلمانوں کو خیال بھی نہیں ہے۔ آپ صرف حفاظت اسلام کے لئے کام نہیں کر رہے ہیں بلکہ اشاعت اسلام کے لئے بھی کام کر رہے ہیں۔ چاروں طرف سے اسلام پر حملے ہو رہے ہیں، آج بھی ڈیرہ اسماعیل خان میں ہندوؤں کے کچھ خاندان میں موجود ہیں اور جب وہ اسلام کے اوپر اعتراض کرتے ہیں ان کے سوالوں کے جواب نہیں ہوتے عامۃ المسلمین کے پاس تو ان کے جوابوں کے لئے یہاں سے لاہور آ کر جماعت احمدیہ لاہور کے سینٹر سے ہندوؤں کے خلاف انہیں لٹریچر لے کر جانا پڑتا ہے اور کسی کے پاس کوئی لٹریچر موجود نہیں ہے۔ اسلام مغرب میں سب سے پہلے جماعت احمدیہ لاہور لے کر گئی۔ عامۃ المسلمین کے پاس اربوں روپے کے وسائل ہوتے ہوئے کچھ نہیں ہوا اور آپ نے 1924ء میں برلن مسجد قائم کی اور اس وقت حالات یہ تھے کہ انجمن نے بہت بڑے بڑے لوگوں سے پیسہ مانگا، عورتوں نے اپنے زیورات اتار کر دیئے تب جا کر وہ مسجد قائم ہوگئی۔

☆☆☆☆

## ختم نبوت

ہوئی ہے ختم نبوت نبی اکرمؐ پر<br>
بلند و بالا و ارفع مقامِ احمدؐ ہے<br>
صدی کے سر پہ جو آیا اسے نبی نہ کہو<br>
وہ خاکپائے محمدؐ، غلام احمدؒ ہے

(محمد اعظم علوی مرحوم و مغفور)

# لغویات سے اعراض بنی نوع انسان میں اخوت اور ہمدردی کی بنیاد

تنویر شاہد صاحب (وہاڑی، پاکستان)

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو (ایک) قوم (دوسری) قوم پر ہنسی نہ کرے شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں (دوسری) عورتوں پر (ہنسیں) شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور اپنے لوگوں کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو نام دھرو، ایمان کے بعد برا نام کیا ہی برا ہے اور جو توبہ نہ کرے تو وہی ظالم ہیں۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بہت گمان (بد) کرنے سے بچو۔ کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور نہ ایک دوسرے کے بھید ٹٹولو اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے بُرا کہو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو تم اس سے کراہت کرتے ہو اور اللہ کا تقویٰ کرو۔ اللہ تعالیٰ رجوع بہ رحمت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

(سورۃ الحجرات آیت 12-11)

سورۃ الحجرات کی یہ دو آیتیں آداب مسلمانی سکھانے کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ ان آداب و معمولات کی نشاندہی کرتی ہیں جو قوم کی صلاحیتوں کو بڑھانے اور تکمیل انسانی کے ضروری لوازم میں شامل ہیں۔ قرآن کریم اور سنت نبویؐ کا یہ کمال ہے کہ انسانی تعلیم و تربیت کا کوئی گوشہ اور کوئی شاخ ایسی باقی نہیں جس کے متعلق رہنمائی نہ ملتی ہو۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ تعلیم واخلاق جس کی ضرورت فلاح نسل انسانی کے لئے ہوسکتی ہے وہ قرآن مجید میں اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی میں باحسن طور پر موجود ہے۔

پیش کردہ آیات میں بھی جن باتوں کا ذکر کیا گیا ہے بظاہر تو چھوٹی معلوم ہوتی ہیں لیکن یہ چھوٹی نظر آنے والی باتیں اخوت ورواداری کے لئے روح کی مانند ہیں اور انہی پر قوم کی اصلاح کا معیار ہے۔

جیسا کہ ان آیات کے اول و آخر دونوں طرف کی آیات کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوجاتا ہے۔ ان آیات سے پہلے فرمایا:

''مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اپنے بھائیوں میں صلح کروایا کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (سورۃ الحجرات آیت 10)

یہاں اس آیت میں مومنوں کے مابین اصلاح کا ذکر ہے تو اگلی آیات یعنی 11 اور 12 نمبر آیت میں بھی غرض یہی ہے کہ مومنوں کا ایک ایسا بھائی چارہ قائم ہو کہ ان میں کسی قسم کی فساد ڈالنے والی باتیں باقی نہ رہیں یعنی یہی وہ باتیں ہیں جو محبت اور ہمدردی کی جڑ کو کاٹنے والی ہیں۔ پھر ان دو آیات کے بعد آنے والی آیت ان دو آیات میں موجود احکام کی غرض و غایت کو درست انداز میں واضح کرتی ہیں جیسا کہ فرمایا:

''اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے۔'' (سورۃ الحجرات 13)

اس آیت کریمہ میں یاایھا الناس سے خطاب شروع کر کے کہ یہ بات بھی واضح کردی کہ قرآن مجید کا مقصد سلسلہ اخوت کو آفاقی بنیادوں پر استوار کرنا ہے۔ قرآن کی غرض و غایت ہی دنیا میں بڑے بھاری سلسلہ اخوت انسانی کا قائم کرنا ہے۔ گویا مومنوں سے ہی خاص خطاب کو چھوڑ کر کل انسانوں سے خطاب عام کردیا ہے کہ جس طرح تمام نسل انسانی آپس میں

بھائی بھائی ہے یعنی تمام کے تمام آدم کی اولاد ہیں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ پھر سب مل کر باہم ہمدردی اور رواداری کے تعلقات کو فروغ دیں ۔ اسلام نے نسل انسانی کے درمیان ہمدردی پیدا کرنے اور بڑھانے کے لئے ان تمام باتوں سے منع کیا ہے جن کا چھوڑنا مشکل اور بظاہر ناگوار معلوم ہوتا ہے مثلاً شراب، سودخوری، جوا، ذخیرہ اندازی وغیرہ۔

یہ ساری باتوں کو اس لئے منع کر دیا کہ اس کے اختیار کرنے والوں کی حالت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ غیروں سے محبت اور ہمدردی کا پیدا ہونا تو کجا وہ اپنے بیوی بچوں سے محبت سے بھی عاری ہو جاتے ہیں۔

ان کی ان چیزوں سے محبت دیوانگی کی حد تک پہنچ جاتی ہے ۔ قرآن نے ایسے لوگوں کی نسبت فرمایا:

''جسے شیطان نے چھو کر باؤلا بنا دیا ہو۔'' (سورۃ البقرہ آیت 275)

اسی ہمدردی اور تعلقات باہمی کے صدمہ پہنچنے کی وجہ سے جوئے، شراب اور قرعہ اندازی وغیرہ سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے چنانچہ خود ہی فرمایا ''شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے سے عداوت اور بغض ڈال دے اور تم کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے۔ سو کیا تم رُک جاؤ گے۔'' (سورۃ المائدہ آیت 91)

اب اصل مضمون آیات کی طرف رجوع کریں تو معلوم ہوگا کہ واقعی تمسخر اور طعن اور برے نام رکھنا اور بدظنی، عیبوں کی ٹوہ اور غیبت یہ وہ باتیں ہیں جن سے محبت، الفت اور ہمدردی کے تعلقات منقطع ہوتے ہیں ۔ لوگوں کے دلوں میں باہم کینے اور بغض پروان چڑھتے ہیں ۔ دشمنیاں ترقی کرتی ہیں ،نفرتیں نشو ونما پاتی ہیں۔

یعنی جن چیزوں سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے ان میں سے تین کو ایک آیت میں رکھا اور تین دوسری میں رکھی ہیں ۔ فی الحقیقت ان باتوں سے معاشرہ اخلاقی بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔

اسلام کی غرض ہی آپس میں محبت اور ہمدردی کے تعلقات پیدا کرنا ہے ۔ اس لئے اس میں ان تمام باتوں کی ممانعت کر دی گئی جو تعلقات اخوت کو منقطع کرنے والی ہوں ۔ خواہ وہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہی کیوں نہ ہوں، ہر بدی اور برائی کا بیج چھوٹا ہی ہوتا ہے جو بعد میں تناور درخت کی صورت اختیار کر لیتا ہے ۔ مقصد اسلام کی تکمیل اسی صورت میں ممکن ہے کہ برائی کو بنیاد سے اکھاڑنے کے لئے ان چھوٹے چھوٹے بیجوں اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے کیونکہ یہ باتیں انسان کی قوت کار کو زنگ لگانے والی اور وقت کے ضیاع کا موجب ہیں جتنا وقت قوم کے افراد کا ان باتوں میں لگتا ہے وہ ضائع چلا جاتا ہے۔

اب ان چیزوں کے متعلق علیحدہ علیحدہ اسلامی رہنمائی کو دیکھتے ہیں ۔ قرآن کریم نے ان چیزوں سے مسلمانوں کو روکا، رسول اللہ صلعم نے ان سے منع فرمایا اور مسیح موعود نے بار بار اپنی تحریرات میں ان کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا، ان دو آیات میں سب سے پہلے تمسخر اور ہنسی کرنے، مذاق اُڑانے سے منع فرمایا اور اس کے لئے یسخر کا لفظ استعمال کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی تحقیر کی غرض سے اس کی ہنسی اڑانا، اللہ نے اس سے منع فرمایا کیونکہ اللہ نے ہر انسان کو فطرتِ اسلام پر پیدا کیا اور معزز بنایا اب انسان اپنے اعمال کی بنا پر عزت یا ذلت کی طرف لوٹ سکتا ہے اور اللہ کے ہاں عزت کا معیار صرف تقویٰ ہے جیسے فرمایا:

اے لوگو یقیناً پیدا کیا ہے ہم نے تم کو مرد اور عورت سے اور بنایا ہم نے تم کو کنبے اور قبیلے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، یقیناً سب سے معزز تم میں اللہ کے نزدیک وہ ہے جو متقی ہے یقیناً اللہ بہت جاننے والا باخبر ہے۔''

(سورۃ الحجرات آیت 13)

انسان کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ کسی کی تحقیر و تذلیل کرے اور اس سے تمسخر کرتا پھرے، آنحضرت صلعم نے کسی کو حقیر جاننے کو بہت بڑی برائی

قرار دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:

''اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو، بھائی دوسرے پر نہ ظلم کرتا ہے نہ اسے رسوا کرتا ہے اور اسے حقیر نہیں جانتا، کسی انسان کے لئے یہی برائی کافی نہیں کہ وہ اپنے بھائی کی تحقیر کرے۔'' (صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ)

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''میں نہیں چاہتا کہ میری جماعت والے آپس میں ایک دوسرے کو چھوٹا یا بڑا سمجھیں، یا ایک دوسرے پر غرور کریں یا نظر استخفاف سے دیکھیں۔ خدا جانتا ہے کہ بڑا کون ہے یا چھوٹا کون ہے۔ یہ ایک قسم کی تحقیر ہے جس کے اندر حقارت ہے، ڈر ہے کہ یہ حقارت بیج کی طرح بڑھے اور اس کی ہلاکت کا باعث ہو جائے، بعض آدمی بڑوں کو مل کر بڑے ادب سے پیش آتے ہیں۔ لیکن بڑا وہ ہے جو مسکین کی بات کو مسکینی سے سنے، اس کی دلجوئی کرے، اس کی بات کی عزت کرے کوئی چڑ کی بات منہ پر نہ لاوے کہ جس سے دکھ پہنچے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے: تم ایک دوسرے کا چڑ کے نام نہ لو یہ ایک فعل فساق و فجار ہے، جو شخص کسی کو چڑاتا ہے وہ نہ مرے گا جب تک وہ خود اسی طرح مبتلا نہ ہوگا۔ اپنے بھائیوں کو حقیر نہ سمجھو، جب ایک ہی چشمہ سے کل پانی پیتے ہو تو کون جانتا ہے کہ کس کی قسمت میں زیادہ پانی پینا ہے، مکرم و معظم کوئی دنیاوی اصولوں سے نہیں ہو سکتا، خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے۔''

(ملفوظات جلد اوّل)

دوسری چیز جس سے منع کیا وہ لمز یعنی طعنہ دینا اور عیب لگانا ہے، لمز دراصل اچھے فعل کو برے رنگ میں پیش کرنا بھی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا:

''جو ان مومنوں پر طعن کرتے ہیں جو دل کھول کر صدقہ دیتے ہیں اور جو سوائے اپنی سخت مشقت کے کچھ نہیں پاتے تو ان پر ہنسی کرتے ہیں، اللہ ان کو ہنسی کی سزا دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔'' (سورۃ التوبہ 79)

چنانچہ وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں ان لوگوں پر کہ جن کو صدقات کا حکم ہوتا ہے تو وہ کل کے کل مال کو خدا کی راہ میں حاضر کرتے ہیں کہ انہوں نے ریاکاری اور دکھلاوے کے لئے روپیہ دیا ہے، گویا ان کے اچھے فعل کو بدی کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور جو لوگ غریب تھے اور انہوں نے کچھ تھوڑا دیا تو حقارت سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی انگلی کو خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔

تیسری چیز یہ فرمائی **ولا تنابزو بالالقاب** کہ لوگوں کے برے نام مت رکھو، دراصل یہ بھی لمز ہی کی ایک اگلی قسم ہے جس میں لوگوں کو تحقیر کی غرض سے برے ناموں کے ساتھ پکارا جاتا ہے، جاہلیت کے زمانے میں عرب دوسروں کے نام ایسے رکھ کر ان کو خطاب کرتے یا ان کا ذکر کرتے تھے جو ان کو ناگوار ہوں، آج بھی یہی حالت ہے۔ ہنسی مخول میں یا تحقیر کے طور پر کسی کا کچھ نام رکھ لیتے ہیں، کسی کا کچھ۔ اور ان ناموں سے لوگوں کو بلاتے ہیں۔ اس سے بھی ممانعت کا ذکر قرآن و حدیث سے ملتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک موقع پر کہا کہ ''صفیہؓ کا یہ عیب کہ وہ ایسی اور ایسی ہے کافی ہے (یعنی) یہ کہ وہ پستہ قد ہے اور یہ بہت بڑا عیب ہے۔ آپ صلعم نے فرمایا: ''عائشہؓ تم نے اتنا تلخ لفظ منہ سے نکالا ہے کہ اگر اسے سمندر میں گھول دیا جائے تو پورے سمندر کو تلخ کر دے۔'' (مشکوٰۃ)

عام حالات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپس میں سوکن ہونے کے باوجود بڑی محبت سے رہتی تھیں۔ لیکن کبھی غفلت میں کسی سے کوئی غلطی ہو ہی جاتی۔ ایسی ہی غلطی حضرت عائشہؓ سے ہوئی کہ انہوں نے حضرت صفیہؓ کی پست قامتی کا ذکر آپ صلعم سے کیا۔ صفیہؓ چھوٹے قد کی تھیں، آپ نے سنتے ہی اظہار ناراضی فرمایا۔ انہیں بتایا کہ تم نے نہایت غلط بات کہہ دی۔ یعنی چھوٹی سے چھوٹی خامی کا ذکر کرنے سے بھی منع فرمایا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

''ہلاکت ہے ہر غیبت کرنے والے عیب لگانے والے کے لئے۔''

(سورۃ ھمزہ آیت 1)

یعنی عیب لگانا بھی انسان کی ہلاکت کا موجب ہوجاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہوکر بآواز بلند فرمایا جو شخص کسی کے عیب کی جستجو میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اندر چھپے عیوب کو لوگوں پر ظاہر کر کے اس کو ذلیل ورسوا کر دیتا ہے۔'' (ترمذی ابواب البر والصلۃ)

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''وہ (اللہ تعالیٰ) ان لوگوں پر ناراضگی کا اظہار کرتا ہے جو ایک دوسرے کو برے ناموں سے یاد کرتے ہیں اور اپنے ہی لوگوں پر عیب لگاتے ہیں اور دوستوں کی طرح پردہ پوشی سے کام نہیں لیتے بلکہ تمسخر کرتے ہیں اور بدظنی سے کام لیتے ہیں اور اٹھتے بیٹھتے لوگوں کے عیوب کی تلاش میں لگے رہتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان امور کے مرتکب کو ایمان کے بعد اطاعت سے نکل جانے والا قرار دیتا ہے اور اس پر اسی طرح اپنے غضب کا اظہار کرتا ہے جیسے کہ سرکشی کرنے والوں پر، وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے بندے مومنوں اور مسلمانوں کو گالیاں دیں۔ باوجود اس کے کہ وہ ان آیات میں مومنوں کے ایک فریق کو باغی اور ظالم قرار دیتا ہے اور دوسرے کو مظلوم کہتا ہے لیکن وہ ان میں سے کسی کو اسلام کا تارک قرار نہیں دیتا۔ پس اگر تم متقی ہو تو تمہارے لئے یہ نصیحت کافی ہے تم اپنے آپ کو ان آیات کی زد میں نہ لاؤ اور ہلاک کرنے والے امور کو اختیار کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لو۔'' (سرالخلافہ)

اللہ تعالیٰ نے اس پہلی آیت میں منع فرمایا:

''نہ کسی پر تمسخر کرو، نہ طعن کرو اور نہ کسی کے برے نام رکھو''

(سورۃ الحجرات 11)

ان تینوں میں تحقیر کا رنگ ہے۔ یہ تین باتیں تو ایسی ہیں کہ ان میں پڑنے والے کی نیت دوسرے کی تحقیر ہوتی ہے۔ اور دوسری قسم کی باتیں، جن سے روکا گیا ہے۔ وہ ہیں۔ کہ جن میں نیت تحقیر تو نہیں ہوتی مگر ان سے بھی چونکہ تعلقات محبت منقطع ہوتے ہیں۔ اس لئے دوسری آیت میں ان سے بھی منع فرمایا۔ ان میں پہلی بات **اجتنبو کثیراً من الظن** ہے۔ یعنی اے ایمان والو! کسی قسم کے ظن سے بچو، ظن کرنا خواہ مخواہ کسی کی نسبت برا خیال کر لینا ہے مثلاً ایک شخص رات کو کسی طرف جا رہا ہو تو کسی پر یہ ظن کر لینا کہ ضرور یہ شراب پینے یا کسی اور برے کام کرنے کے لئے جارہا ہے۔

اس لئے اس آیت میں بدظنی کو گناہ قرار دیا ہے۔ بخاری کتاب الادب میں حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:

''بدظنی سے بچو کیونکہ بدظنی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔''

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''میں سچ کہتا ہوں کہ بدظنی بہت ہی بری بلا ہے جو انسان کے ایمان کو تباہ کر دیتی ہے اور صدق اور راستی سے دور پھینک دیتی ہے اور دوستوں کو دشمن بنا دیتی ہے۔ صدیقوں کے کمال حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان بدظنی سے بہت ہی بچے۔ اور اگر کسی کی نسبت کوئی سوء ظن پیدا ہو تو کثرت کے ساتھ استغفار کرے اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرے تا کہ اس معصیت اور اس کے برے نتیجہ سے بچ جاوے جو اس بدظنی کے پیچھے آنے والا ہے۔ اس کو کبھی معمولی چیز نہیں سمجھنا چاہیے یہ بہت ہی خطرناک بیماری ہے جس سے انسان بہت جلد ہلاک ہوجاتا ہے۔''

دوسرا حکم اس آیت میں یہ ہے کہ **ولا تجسسو**۔ یعنی دوسرے لوگوں کے عیب مت تلاش کرتے پھرو۔ اور خواہ مخواہ ایک دوسرے کی ٹوہ میں لگے رہنا کہ اس کی کسی کمزوری پر اطلاع ہوجائے، تجسس ہے، اول تو فرمایا ظن سے بچو پھر تجسس سے بچنے کا حکم دیا۔'' پھر تیسرا حکم **ولا یغتب بعضکم**

بعضاً کا ہے۔یعنی ایک دوسرے کی غیبت مت کرو اپنے بھائی کے متعلق جو بری بات ہو جو اس کی کمزوری ہو اس کا ذکر پیٹھ پیچھے مت کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کیا ہے؟

لوگوں نے کہا ''اللہ اور اس کے رسول زیادہ واقف ہیں۔''

آپؐ نے فرمایا کہ ''غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر کرے ایسے ڈھنگ سے کہ جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔پھر آپؐ سے پوچھا گیا کہ بتایئے اگر وہ بات جو میں کہہ رہا ہوں میرے بھائی کے اندر پائی جاتی ہو جب بھی یہ غیبت ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا اگر وہ بات جو تو کہتا ہے اس کے اندر موجود ہو تو یہ غیبت ہوئی اور اگر اس کے متعلق وہ بات کہی جو اس کے اندر نہیں ہے تو تو نے اس پر بہتان لگایا۔'' (مشکوٰۃ)

مومن کو اس کی کوتاہی پر خیر خواہانہ انداز میں متوجہ کیا جائے تو ظاہر ہے وہ برا نہ مانے گا اسی طرح اس کی کوتاہی کی اطلاع اس کے ذمہ داروں کو دی جائے تو اسے بھی وہ ناپسند نہیں کرے گا کیونکہ یہ بھی اس کی اصلاح کا ایک طریقہ ہے۔البتہ اسے تکلیف ہوگی اور ہونی چاہیے جب کہ آپ اپنے مومن بھائی کو سوسائٹی کی نگاہ سے گرانے کے لئے اس کی عدم موجودگی میں اس کی خامیاں بیان کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''غیبت زنا سے سخت تر گناہ ہے۔''لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلعم! غیبت زنا سے سخت گناہ کیوں کر ہے۔؟ آپؐ نے فرمایا کہ آدمی زنا کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔لیکن غیبت کرنے والے کو معاف نہیں کرے گا جب تک وہ شخص اسکو معافی نہ دے دے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔'' (مشکوٰۃ)

اس آیت میں آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے پس جس طرح تم اس کو مکروہ سمجھتے ہو، اسی طرح اپنے بھائی کے پیٹھ پیچھے بھی بری بات کرنے سے بچو۔'' (سورۃ الحجرات 12)

غیبت اخلاقی طور پر مردہ کا گوشت کھانے کے برابر ہے۔مگر افسوس ہے کہ لوگ ظاہری طور پر مردار کھانے سے بچتے ہیں مگر اخلاقی طور پر اپنے ہی بھائیوں کا مردہ گوشت کھاتے ہیں کیونکہ کسی کا عیب یا کمزوری مردہ گوشت سے مشابہ ہے۔بس روحانیت سے جسمانیات کی طرف انتقال کر کے غیبت کی اصل حقیقت کو سمجھایا ہے۔یہ سب باتیں بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں مگر جب یہ باتیں بڑھ جاتی ہیں تو نہایت خطرناک ہو جاتی ہیں اور قوم کی طاقت ضائع ہوتی ہے اور آپس میں بغض ترقی کرتا ہے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا:

''آدمی کے دین کا حسن اس بات میں مضمر ہے کہ وہ تمام لغو اور غیر متعلق معاملات کو ترک کردے۔'' (ترمذی ابواب الزھد)

اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم ان تمام باتوں سے اجتناب کریں جو ہمارے دین کے حسن کو تباہ و برباد کرتی ہیں۔حضرت مسیح موعودؑ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

''مومن وہ لوگ ہیں جو لغو کاموں اور لغو باتوں اور لغو حرکتوں اور لغو مجلسوں اور لغو صحبتوں اور لغو تعلقات سے اور لغو جوشوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور ایمان ان کا اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس قدر کنارہ کشی ان پر سہل ہو جاتی ہے کیونکہ بوجہ ترقی ایمان کے کسی قدر تعلق ان کا خدائے رحیم سے ہو جاتا ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم)

اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی لغو باتوں سے اعراض کرنے اور اخلاقی قدروں میں ترقی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆☆

# حقوق العباد کی نگہداشت مقدم ہے

## تقریر یاسر عزیز صاحب (پرتگال)

ترجمہ:''بڑی نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے مونہوں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو لیکن بڑا نیک وہ ہے جو اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی محبت کے لئے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کو اور غلام آزاد کرنے میں مال دے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور اپنے اقرار کو پورا کرنے والے جب وہ اقرار کریں اور صبر کرنے والے تنگی اور تکلیف میں اور مقابلہ کے وقت یہی وہ لوگ جنہوں نے سچ کر دکھایا اور یہی متقی ہیں'' (سورۃ البقرہ آیت 177)

ترجمہ:''اے لوگو جو ایمان لائے ہو (ایک) قوم (دوسری) قوم پر ہنسی نہ کرے شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں پر (ہنسیں) شاید کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور اپنے لوگوں کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو نام دھرو، ایمان کے بعد بُرا نام کیا ہی بُرا ہے اور جو توبہ نہ کرے وہی ظالم ہے، اے لوگو جو ایمان لائے ہو بہت گمان (بد) کرنے سے بچو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور نہ ایک دوسرے کے بھید ٹٹولو اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہو کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے سو تم اس سے کراہت کرتے ہو اور اللہ کا تقویٰ کرو اللہ تعالیٰ رجوع برحمت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

سورۃ البقرہ کی آیت مذکورہ بالا میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''بڑی نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے مونہوں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو بلکہ بڑا نیک وہ ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر ایمان لاتا ہے اور کتابوں پر اور نبیوں پر''۔

تو یہ حقوق اللہ میں شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، آخرت پر یقین رکھنا، فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر اور یہ جتنے معاملات ہیں یہ انسان کی ذات سے متعلق ہیں اور اسی کی ذات تک محدود رہتے ہیں کوئی انسان اپنے دل میں کیا عقیدہ رکھتا ہے، کیا سوچ رکھتا ہے یہ اس کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ لیکن انسان کا تعلق جو معاشرے کے ساتھ ہے جو اس کے خاندان کے ساتھ ہے جو اس کے اردگرد رہنے والے لوگوں کے ساتھ ہے وہ نظر آتا ہے۔ کوئی شخص کتنا نمازی اور پرہیزگار ہے معاشرہ اس کو نہیں دیکھتا، کوئی شخص رمضان میں روزہ رکھتا ہے یا نہیں رکھتا، معاشرے کے پاس کوئی پیمانہ نہیں اس کا اللہ سے تعلق ماپنے کا اور یہی اصول اسلام میں بھی ہے کہ جب اسلام کی بنیادی تعلیمات کا ذکر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں کوئی حد نافذ نہیں کرتا، آپ مسلمان ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے تو اسلام میں، سوسائٹی میں، انصاف میں، قانون میں کوئی حد لاگو نہیں ہوتی کہ آپ نے نماز نہیں پڑھی تو آپ کو یہ سزا ملے گی کیونکہ نماز آپ کا اور اللہ کے درمیان ایک تعلق ہے جو آپ کی روحانیت کو بڑھاتی ہے، اسی طرح سے جو دوسرا رکن اسلام ہے وہ روزہ ہے آپ نے روزہ رکھا ہے یا نہیں رکھا قانون اس کے اوپر کوئی حد نہیں لگاتا کہ آپ روزہ رکھ رہے ہیں یا نہیں رکھ رہے، آپ کہیں میرا روزہ ہے، جا کر پانی پی لیں، کوئی نہیں دیکھ سکتا، یا رمضان کا مہینہ آپ باہر چلتے پھرتے کھانا کھالیں تو کیا کوئی پولیس آپ کو اٹھا کر جیل میں ڈالے گی کہ آپ نے اصول کی خلاف ورزی کی ہے۔ کیونکہ یہ تعلق آپ کی خدا تعالیٰ کے ساتھ جو کمٹ منٹ کو شو کرتے ہیں اگر آپ نماز پڑھتے ہیں تو یہ آپ کے روحانی فائدہ کے لئے ہے،

آپ رمضان کے روزے رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے آپ کے اردگرد رہنے والے لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن سٹیٹ جیسے ہی تیسرا حکم زکوٰۃ کا آتا ہے بلکہ اس سے پہلے حج ہے اگر آپ حج نہیں کرتے بیشک کروڑوں کے مالک ہیں، تو کسی انسان کے آگے جواب دہ نہیں ہیں کہ آپ حج کیوں نہیں کرتے۔ کیونکہ ان عبادات کا تعلق آپ کی اپنی روحانیت سے ہے، آپ کے خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور وابستگی سے ہے لیکن حج سے پہلے جو چوتھا رکن زکوٰۃ آتا ہے تو آپ اگر اس میں اسلامی اصول کے مطابق کوئی گڑبڑ کریں تو اسٹیٹ بیچ میں آجاتی ہے کیونکہ وہ غرباء کا حق ہے کہ زکوٰۃ امراء سے لی جاتی ہے اور غرباء میں تقسیم کی جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں بھی جب کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو انہوں نے ان سے باقاعدہ جنگ کا سوچا کہ ہم جنگ کریں گے کیونکہ یہ غرباء کا حق ہے تو سوسائٹی بیچ میں آگئی۔

پھر اسی آیت میں اللہ تعالیٰ باقی ذکر فرماتا ہے کہ آپ قریبیوں کا حق ادا کریں، مسکینوں، یتیموں، مسافروں اور سوالیوں اور غلاموں کو آزاد کرنے میں۔ تو حقوق اللہ آپ پر واجب ہیں اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کرنا چاہے تو کرسکتا ہے جیسے قرآن میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز معاف کر دے گا سوائے شرک کے۔

حقوق اللہ جو کہ روحانیت سے متعلق ہیں تو اسی طرح سے جو حقوق العباد ہیں وہ سوسائٹی سے متعلق ہیں۔ قرآن کریم جب بیان کرتا ہے کہ ایک انسان نے اپنے اللہ سے کیا تعلق پیدا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے اور مختلف مراحل بیان کرتا ہے اور اسی طرح سے ایک گائیڈ لائن معاشرے کے لئے بھی مہیا کرتا ہے کہ معاشرے نے کیسے چلنا ہے اور کیسے ایک دوسرے سے برتاؤ کرنا ہے تو اسی سلسلے میں سورۃ الحجرات کی درج کردہ آیات قابل غور ہیں جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک قوم دوسری قوم پر ہنسی نہ کرے ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور پھر خاص طور پر عورتوں کو مخاطب کر کے کہا کہ عورتیں بھی دوسری عورتوں پر ہنسی نہ کریں ہوسکتا ہے کہ جس پر آپ ہنسی کر رہے ہیں وہ آپ سے بہتر ہو، پھر معاشرتی اصول کو بیان کرتے ہوئے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے لوگوں پر عیب نہ لگاؤ، عیب لگانے سے بچو اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو، ایمان کے بعد برا نام کیا ہی برا ہے۔ اور یہ ایک دوسرے کو نام دھرنا اور عیب لگانا اس سے آپس کے تعلقات میں مقاطعت پیدا ہوجاتی ہے۔ جب آپ ایک دوسرے کو غلط نام سے پکارتے ہیں تو دوسرے انسان کے دل میں جس کو آپ غلط نام سے پکاریں برا بھی منا سکتا ہے اور دلوں میں کینہ بھی بڑھتا ہے اور پھر اسی اصول کو آگے چلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بہت بدگمان کرنے سے بچو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے۔ کوئی انسان جو دین کے راستے میں کام کر رہا ہو اس کو کام کرنے دیجئے جب انسان کام کرتے ہیں تو دس کاموں کے ساتھ دو غلط بھی ہوجایا کرتے ہیں۔ اسی اصول کے مطابق کہ جو اچھا کر رہا ہے اس کے اچھے کام کو دیکھنا چاہیے اور غلط کام کبھی غلطی سے ہوجاتا ہے اس کے اوپر بدگمان کرنے سے بچنا چاہیے اور اسی طرح سے ایک دوسرے کے بھید نہ ٹٹولو اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہو۔ کوئی انسان اپنی ذاتی اور معاشرتی زندگی میں رہ رہا ہے اس کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے اور دوسرا اصول کہ ''پیٹھ پیچھے کسی کو بُرا مت کہو'' اگر آپ کو کوئی بات بری لگی تو آپ اس انسان کے سامنے اس کی اصلاح کر دیں کسی کی کسی محفل میں اصلاح نہ کریں۔ جیسے کہ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ:

''اگر تم نے کسی انسان کو کسی محفل یا مجمع میں اصلاح کرنے کی کوشش کی تو تم نے اس کو بگاڑ دیا اور اگر کسی کو تم نے تنہائی میں نصیحت کی تو اس کو تم نے سنوار دیا''

جو ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہنا ہے اس کو قرآن میں اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے جیسے کوئی انسان اس

سے کراہت محسوس کرتا ہے جو بات تصور میں بھی نہیں لائی جاسکتی تو اللہ تعالیٰ جوفرماتا ہے جب تم کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرتے ہوتو وہ مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔اس کے علاوہ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ رجوع برحمت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔تو حقوق اللہ اور حقوق العباد میں جو بڑا فرق نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ جس وقت آپ حقوق العباد میں ذراسی بھی ناانصافی کرتے ہیں تو اسلام اسٹیٹ ہونے کے ناطے درمیان میں آتا ہے، آپ کسی انسان کو تھپڑ ماردیں تو پھر اسٹیٹ کا حق بنتا ہے کہ وہ درمیان میں آجائے۔

ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ ''حضرت عمرؓ کے دور میں ایک سردار نے اپنے پورے قبیلے کے ساتھ اسلام قبول کرلیا اور حج کے دوران جب وہ طواف کررہا تھا ایک غریب صحابی اس کے پیچھے پیچھے طواف کررہے تھے تو ان کا پاؤں اس کے جبے پر آگیا اور وہ گر گیا تو سردار نے پیچھے آنے والے صحابی کو تھپڑ لگادیا، معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ تم نے زیادتی کی ہے بیشک تم سردار ہو اب اس شخص کا حق ہے یہ ایک تھپڑ تمہیں بھی رسید کرے تو اس نے کہا کہ میں ایک قبیلے کا سردار ہوں میری غیرت گوارا نہیں کرتی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ ایک انسان کا حق ہے جس کے ساتھ تم نے ناانصافی کی ہے اور میرا دین مجھے کہتا ہے کہ میں انصاف کروں تو تمہیں اگر میرا فیصلہ منظور ہے تو تھپڑ کھانا پڑے گا ورنہ تمہاری مرضی ہے تم اسلام سے خارج ہونا چاہو تو ہو جاؤ تو سردار تکبر میں آگیا اس نے کہا کہ مجھے اسلام چھوڑنا منظور ہے تھپڑ نہیں کھاؤں گا۔تو حضرت عمرؓ نے انصاف کو قائم رکھتے ہوئے اس کو اجازت دی کہ تم اپنے قبیلے کو لے کر چلے جاؤ تو ساتھ ہی اعلان کردیا کہ بعد میں جنگ کے لئے تیار رہو کیونکہ تم اسلام میں داخل ہوئے اور ایک اصول جو کہ کسی انسان کا حق ہے تم اس کو نہ مانتے ہوئے اس کو چھوڑنا چاہ رہے ہو۔ پھر بعد میں ایک چھوٹی سی جنگ میں وہ پکڑا گیا اور اس نے دوبارہ اسلام قبول کیا اور معافی مانگی۔

غرض یہ ہے کہ حقوق العباد کے معاملے میں انسان کو بڑی احتیاط کرنی چاہیے اسی کے بارے میں رسول کریم صلعم نے تاکید کی ہے، ایک حدیث میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ ''مسلمان کے مسلمان پر پسندیدہ طور پر چھ حق ہیں کہ جب اسے ملے تو اسے سلام کرے جب وہ اس کی دعوت کرے تو اس کو قبول کرے، جب وہ چھینکے تو اس کے لئے دعا کرے، جب وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کرے، جب وہ مرجائے تو اس کے جنازہ میں جائے اور اس کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہے''

اسی طرح سے بہت ساری احادیث ہیں جن میں مختلف مقامات پر بیان کیا گیا کہ سب سے اچھا انسان کون ہے تو آپ احادیث کا سارا مجموعہ اٹھا کر دیکھ لیں تو کہیں پر نہیں لکھا ہوگا کہ سب سے اچھا انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ نمازیں پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو، حج کرتا ہو بلکہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ سب سے اچھا انسان وہ ہے جس کے سب سے زیادہ اخلاق اچھے ہوں۔ایک موقع پر فرمایا کہ تم میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہے، اس ضمن میں اگر آپ خطبہ حجتہ الوداع کو اٹھا کر دیکھیں تو کیا ہی بہترین پیغام ہے جو رسول کریم صلعم نے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا، آپ فرماتے ہیں:

''تم جانتے ہو یہ کونسا دن ہے یہ یوم النحر یعنی قربانی کا دن ہے، تم جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے یہ شہر حرم یعنی حرمت والا مہینہ ہے پس میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح ایک دوسرے پر حرمت کا استحقاق رکھتی ہیں جیسے اس حرمت والے شہر میں اس حرمت والے مہینہ میں یہ حرمت والا دن، دیکھو حاضر غیب کو یہ بات پہنچا دے اور تم اپنے رب کو ملنے والے ہو سو وہ تم کو تمہارے اعمال کے متعلق سوال

کرے گا۔ پہلی بات لوگوں سے متعلق ایک دوسرے کا احترام کرو، دوسری بات آج تمام سود کی رقمیں چھوڑی جاتی ہیں اور عباس ابن مطلب کی رقم سود بھی چھوڑی جاتی ہے( یعنی اپنے گھر سے شروع کیا ) آج تمام خون جو جاہلیت میں ہو چکے ان کا قصاص موقوف کیا جاتا ہے اور سب سے پہلے ربیہ ابن حارث، ابن لمطلب کے خون کا قصاص موقوف کیا جاتا ہے، پھر اے لوگو آج شیطان اس بات سے مایوس ہوگیا کہ تمہاری سرزمین میں اس کی عبادت پھر کبھی نہ ہوگی لیکن اس کے سوائے اگر اور امور میں اس کی اطاعت کی گئی ایسے اعمال تم حقیر خیال کرو تو یہ اس کی خوشی کا موجب ہوگا پس اپنے دین میں اس سے بہت احتیاط کرو، اے لوگو تمہارے تمہاری بیویوں پر حق ہیں اور تمہاری بیویوں کے تم پر حق ہیں وہ تمہارے ہاتھوں میں خدا تعالیٰ کی امانت ہیں پس تم ان سے نیک سلوک کرو اور تمہارے غلام، دیکھو تم ان کو وہ خوراک دو جو خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، اے لوگو میری باتوں کو سن لو اور سمجھ لو، جان لو کہ ہر مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے اور تم سب بھائی یکساں ہو اور تم سب ایک ہی سلسلہ اخوت میں ہو پس کسی شخص کے لئے اپنے بھائی سے کچھ لینا جائز نہیں مگر وہی جو وہ اپنے نفس کی خوشی سے دے دے، پس اپنے لوگوں پر کوئی ظلم مت کرو"

یہ سارا خطبہ الوداع کا متن اٹھا کر دیکھ لیجئے لوگوں پر دوسرے لوگوں پر حقوق کا زیادہ ذکر ہے تو اسی سلسلے میں ایک دینی اسکالر غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ" انسان کا دنیا میں آنا دراصل اس کے اخلاق کا امتحان ہے"( اور اس اخلاق کا سب سے پہلا مرکز آپ کا اپنا گھر ہے کہ آپ اپنے گھر میں کیسے ہیں )اور اسی لئے قرآن کریم بھی کہتا ہے کہ زیادہ زن ایک دوسرے پر قائم نہ کرو بلکہ اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے کہ ہم یا ہمارے اعمال یا ہماری عبادات کس لائق ہیں اسی خود احتسابی کے سلسلے میں ایک شاعر نے کہا:

نگاہ عیب گیری سے جو دیکھا اہل عالم کو\
کوئی کافر، کوئی فاسق، کوئی زندیق اکبر تھا\
مگر جب ہوگیا دل احتساب نفس پر مائل\
ہوا ثابت کہ ہر فرزند آدم مجھ سے بہتر تھا

کہ جب آپ حسد یا عیب کی نگاہ سے دوسرے انسانوں کو دیکھیں گے تو آپ کو کوئی کافر، فاسق، زندیق نظر آئے گا لیکن آپ اگر اپنے ہی گریبان میں جھانکیں تو پھر ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ تمام انسان ہماری اپنی ذات سے بڑھ کر ہیں، بہتر ہیں

تو اسی سلسلہ میں قرآن کا اصول بھی یہی ہے کہ اپنے اعمال کو دیکھو۔ اعمال میں بھی جو زیادہ زور ہے وہ لوگوں کے ساتھ تعلقات کو دیا جاتا ہے تو اسی سلسلے میں پنجابی کے کچھ اشعار پر ختم کروں گا کہ انسان کو ہمیشہ یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا وہ معاشرے میں کسی کے ساتھ ناانصافی یا کسی کا حق تو نہیں مار رہا، پنجابی شاعران لوگوں کے بارے میں جو لوگ بہت دین دار تصور کیے جاتے ہیں اور عبادات ظاہری کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں لکھتا ہے:

حج بھی کیتی جاندے او لہو بھی پیتی جاندے او\
کھا کے مال یتیماں دا بجھ مسیتی جاندے او\
پھٹ دلاں دے سیندے نہیں ٹوپیاں سیتی جاندے او\
چھری نہ پھیری نفساں تے، تے دنبے کیتی جاندے او\
دل دے پاک پوتر حجرے بھری پلیتی جاندے او\
فرض بھلائے بیٹھے او تے نفلاں نیتی جاندے او\
دسو نہ کچھ حضرت جی اے کی کیتی جاندے او

☆☆☆☆

# حضرت صاحب کی شاعری کا مقصد تجدید دین ہے

طیب اسلام صاحب (پشاور، پاکستان)

ترجمہ:''اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائے، اچھے کاموں کا حکم دے اور بُرے کاموں سے روکے اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔'' (سورۃ آل عمران آیت 104)

یہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی اس آیت کی اتباع میں اس زمانے کے امام، اس زمانے کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ نے اس جماعت کی بنیاد رکھی کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے، اچھے کاموں کا حکم دے'' اس زمانے کے امام نے جو جماعت بنائی وہ بھلائی کے لئے بنائی، نیکی کا حکم کرنے کے لئے بنائی، اشاعت قرآن کے لئے بنائی اور بُرے کاموں سے روکنے کے لئے بنائی گئی اور پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے ''وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں'' ہم لوگ بہت ہی خوش قسمت لوگ ہیں، ہم ایسی جماعت میں شامل ہیں جو اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں، اشاعت اسلام کرتے ہیں، اشاعت قرآن کرتے ہیں، اسلام کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچاتے ہیں، محمد مصطفیٰ صلعم کی سیرت کی اصلی تصویر دنیا پر واضح کرتے ہیں۔ ہمارے لئے اور دیگر ان لوگوں کے لئے جو ایسے کام کرتے ہیں ان کے لئے اللہ رب العزت فرماتا ہے وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

اس زمانے مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ ہیں۔

حدیث میں آتا ہے:

''اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کو مبعوث کرتا ہے جو آ کر دین کی تجدید کرتا ہے''۔ ہر سو سال کے بعد اسلام کو ایک مجدد کی ضرورت پیش ہوتی ہے جو دین کی آ کر تجدید کرتا ہے۔ ہر سو سال کے بعد غلط خیالات اور نظریات کا پردہ پڑ جاتا جن کو دور کرنا مجدد کا کام ہوتا ہے اور جس زمانے میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کو اللہ تعالیٰ نے مجدد بنا کر بھیجا اس وقت کے حالات کیا تھے۔ آج ہم ملک پاکستان کے اندر ہیں یہاں اسلام کا بول بالا ہے، ہماری جو نوجوان نسل ہے ان لوگوں کو اُس وقت کے حالات کا اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت حالات کیسے تھے کیونکہ ہم تاریخ سے بہت کم واقف ہیں۔

اس وقت کی اگر تاریخ کو دیکھا جائے تو اسلام مظلومیت کی حالت میں جا رہا تھا، اسلام کے اوپر چاروں طرف سے حملے کیے جا رہے تھے۔

یعنی ہر طرف سے یزیدی فوجوں نے اسلام پر حملہ کیا ہوا تھا اور دین حق بیمار زین العابدین کی طرح تھا، اس وقت عیسائیوں نے، ہندوؤں نے، آریوں نے ان مذاہب کے ماننے والے لوگوں نے اسلام پر حملے کیے ہوئے تھے یہاں تک کہ ایک پادری نے یہ دعویٰ کر دیا تھا کہ ''اگر میں مسلمانوں کو عیسائی نہ بنا سکا تو مسلمان بھی نہ رہنے دوں گا۔'' اس حد تک اسلام دشمنوں کے نرغے میں تھا۔

پھر اس کے بعد ان پادریوں نے رسول کریم صلعم کی اپنے لٹریچر میں غلط تصویر کھینچ رکھی تھی۔ یہ پادری قرآن کریم کی ایک ایک آیت پر اعتراض کرتے تھے۔ نعوذ باللہ رسول کریم صلعم کی ہر طرح سے ہتک کر رہے تھے اور حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ میں اگر ان اعتراضات کو جمع کروں تو اُن

اعتراضات کی بوریاں بن سکتی ہیں جس قسم کے وہ اعتراض رسول کریم صلعم پر کیا کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد آریوں کا ایک فرقہ اٹھا آریوں کے فرقے نے بھی عیسائیوں ہی کے اعتراضات کو اٹھایا اور ان اعتراضات کے ذریعہ اپنے انداز میں گستاخی شروع کردی۔ پھر اس کے بعد برہموسماج جو بظاہر مرجھایا ہوا فرقہ نظر آتا ہے مگر انہوں نے مسئلہ وحی نبوت کا انکار کر کے دراصل مذہب کی جڑ پر کلہاڑا مار دیا اور ادھر ہمارے علماء کی یہ حالت تھی کہ ایک طرف دشمنان اسلام، اسلام کے اوپر طرح طرح کے حملے کر رہے تھے اور دوسری طرف ہمارے علماء بجائے اس کے کہ ان کے جوابات دیں، وہ آپس میں رفع یدین کیا جائے یا نہ کیا جائے آمین اونچی آواز میں کی جائے یا نیچی آواز میں، کوا حلال ہے یا حرام ہے ان مسائل میں الجھے ہوئے تھے اور مسلمانوں میں سے سرسید احمد خان کی ایک تحریک تھی جنہوں نے دعا سے انکار کیا اور وحی کے محظ دل سے اٹھ کر دل میں پڑنے کے عقیدہ کو ہوا دے کر اسلام کو اس کی روحانیت سے خالی کر دیا۔ ادھر دہریت اور مادہ پرستی بھی پھیلی ہوئی تھی غرض جو امام وقت نے فرمایا کہ ہر طرف سے اسلام پر حملے ہو رہے تھے اور بجائے اس کے کہ ان کا جواب دیا جاتا، علماء اپنے مسائل میں الجھے ہوئے تھے۔ اس وقت ایک مجدد کی ضرورت تھی تو اس زمانے کے امام نے آکر مختلف ذریعوں سے تبلیغ کرنے کا عظم کیا اور آپ نے ہر طبقہ کے ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے انداز میں تبلیغ دین کی، ان طریق میں سے ایک شاعری بھی تھی، آپ نے شاعری کے ذریعہ بھی اشاعت دین کے فریضہ کو سرانجام دیا، اس کی چند جھلکیاں درج ذیل سطور میں پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

جب چاروں طرف سے حملے ہو رہے تھے، مسلمان علماء کا یہ حال تھا اور مسلمان اس وقت اسلام سے بھاگنا شروع ہو گئے تھے، اس وقت اس زمانے کے امام نے تمام مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

اسلام سے نہ بھاگو راہ ہدیٰ یہی ہے
اے سونے والو جاگو شمس الضحیٰ یہی ہے
مجھ کو قسم خدا کی جس نے ہمیں بنایا
اب آسماں کے نیچے دین خدا یہی ہے
وہ دلستان نہاں ہے کس راہ سے اس کو دیکھیں
ان مشکلوں کا یاروشکل کشا یہی ہے
باطن سیاہ ہیں جن کے اس دیں سے ہیں وہ منکر
پر اے اندھیرے والو دل کا دیا یہی ہے
دنیا کی سب دکانیں ہیں ہم نے دیکھی بھالیں
آخر ہوا یہ ثابت دارالشفاء یہی ہے
سب خشک ہوگئے جتنے تھے باغ پہلے
ہر طرف میں نے دیکھا بستاں ہرا یہی ہے
دنیا میں اس کا ثانی کوئی نہیں ہے شربت
پی لو اس کو یارو آب بقا یہی ہے

پھر اس وقت آریوں کی کیا حالت تھی اس کو حضرت صاحب اپنے اشعار میں یوں بیان کرتے ہیں:

افسوس آریوں پر جو ہوگئے ہیں شیر
وہ دیکھ کر ہیں منکر ظلم و جفا یہی ہے
معلوم کر کے سب محروم ہوگئے ہیں
کیا ان نیوگیوں پر ذہن رسا یہی ہے
ان آریوں کا پیشہ ہر دم ہے بد زبانی
ویدوں میں آریوں نے شاید پڑھا یہی ہے
پاکوں کو پاک فطرت دیتے نہیں ہیں گالی
پر ان سیاہ دلوں کا شیوہ سدا یہی ہے

افسوس سب و توہیں سب کا ہوا ہے پیشہ
کس کو کہوں کہ ان میں ہرزہ درا یہی ہے

پھراس کے بعد ہندوؤں کی حالت بتاتے ہیں:

ہندو کچھ ایسے بگڑے دل پر ہیں بغض وکیں سے
ہر بات میں ہے توہیں طرزِ ادا یہی ہے
جان بھی ہے اُن پر قرباں گردل سے ہویں صافی
پس ایسے بدکنوں کا مجھ کو گلہ سہی ہے

پھراس کے بعد آپ فرماتے ہیں:

دل پھٹ گیا ہمارا تحقیر سنتے سنتے
غم تو بہت ہیں دل میں پر جاں گزا یہی ہے
دنیا میں اگرچہ ہو گی سو قسم کی برائی
پاکوں کی ہتک کرنا سب سے برا یہی ہے

پھراس کے بعد انہی اشعار کے ذریعے حضرت صاحب عیسائیوں کو دعوت دیتے ہیں اورانہیں للکار کر کہتے ہیں:

آؤ عیسائیو ادھر آؤ نور حق دیکھو راہ حق پاؤ
جس قدر خوبیاں ہیں قرآں میں
کہیں انجیل میں ہیں تو دکھلاؤ
سر پر خالق ہے اس کو یاد کرو
یوں ہی مخلوق کو نہ بھکاؤ
کچھ تو خوف خدا کرو لوگو
کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ
عیش دنیا سدا نہیں پیارو
اس جہاں سے بقا نہیں پیارو

پھراس کے بعد وفات مسیح کو بھی اپنے اشعار کے ذریعے سے بیان کیا اورازالہ اوہام میں بھی ثابت کیا اورتیس آیات پیش کیں اوران سے ثابت کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے انبیاء کی طرح فوت ہوگئے۔

اشعار میں لکھتے ہیں:

کیوں نہیں لوگو تمہیں حق کا خیال
دل میں اٹھتا ہے میرے سو سو ابال
ابن مریم مر گیا حق کی قسم
داخل جنت ہوا وہ محترم
مارتا ہے اس کو فرقاں سر بسر
اس کے مرجانے کی دیتا ہے خبر
وہ نہیں باہر رہا اموات سے
ثابت ہوگیا یہ تیس آیات سے
کوئی مردوں سے کبھی آیا نہیں
یہ تو فرقاں نے بھی بتلایا نہیں
اے عزیزو سوچ کر دیکھو ذرا
موت سے بچتا کوئی دیکھا بھلا
یہ تو رہنے کا نہیں پیارو مکاں
چل بسے سب انبیاء و رستاں

اسی عقیدے حیات مسیح کی وجہ سے بہت سے لوگ اسلام کو چھوڑ کر عیسائی مذہب میں داخل ہوگے تھے کیونکہ مسلمانوں کے پاس اس بات کا جواب نہیں تھا،عیسائی ان سے کہا کرتے تھے کہ تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ابھی واپس آنا ہے اورآ کرامت محمدیہ کی اصلاح کرنی

ہے تو تم نے بعد میں بھی حضرت عیسیٰ کو ماننا ہے تم پہلے کیوں نہیں مان لیتے۔ اس بات کا مسلمانوں کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ جس کا ثبوت ہمیں اشرف علی تھانوی صاحب نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ انڈیکس میں اس وقت کے حالات لکھتے ہیں کہ کس وجہ سے مسلمان عیسائیت میں داخل ہو رہے تھے اس کی وجہ وہ حیات مسیح کا عقیدہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ حیات مسیح کے عقیدہ کی وجہ سے بہت سے لوگ اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت میں داخل ہوئے اور جس نے لوگوں کو عیسائیت میں جانے سے روکا وہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ ہیں۔ انہوں نے اپنے عکسی ترجمہ قرآن مجید میں جو تحریر درج کی وہ میں آپ کے سامنے پڑھتا ہوں کہ کس طرح حضرت مرزا غلام احمدؒ نے اسلام کا دفاع کیا وہ لکھتے ہیں:

''اسی زمانہ میں پادری لیفرائے پادریوں کی بہت بڑی جماعت لے کر اور حلف اٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنا دوں گا، ولایت کے انگریزوں سے روپیہ کی بہت بڑی مدد اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا، اسلام کی شریعت و احکام پر جو اس کا حملہ ہوا وہ ناکام ثابت ہوا کیونکہ احکام اسلام و سیرت رسول اور احکام انبیاء بنی اسرائیل اور ان کی سیرت جن پر ان کا ایمان تھا یکساں تھے پس الزامی و نقلی و عقلی جوابوں سے ہار گیا، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر بجسد خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیاء زمین میں مدفون ہونے کا حربہ عوام کے لئے اور اس کے خیال میں کارگر ثابت ہوا تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے اور لیفرائے اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں پس اگر تم سعادت مند ہو تو مجھ کو قبول کرلو۔ اس ترکیب سے لیفرائے کو اس قدر تنگ کیا کہ اس کو اپنا پیچھا چھوڑانا مشکل ہو گیا اور اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی،''

پھر اسی طرح اس زمانہ کے امام نے بہت ساری پیشگوئیاں بھی کیں اور بعض چیزوں سے ہمیں روکا بھی لیکن ہم مسلمانوں نے امام وقت کی باتوں کی لاج نہ رکھی اور ان کی پروا نہ کی جس کی وجہ سے ہم مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا اور اٹھا رہے ہیں، لیکن اب بہت سے لوگ سمجھ چکے ہیں وہی تعلیم جو حضرت صاحب نے دی تھی اس کی طرف مائل ہونا شروع ہو گئے ہیں، حضرت صاحب نے 1901ء میں یہ نظم لکھی جس میں جہاد کی ممانعت کی گئی:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آگیا مسیح جو دیں کا امام ہے
دین کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے

اس جہاد کے بارے میں 1901ء میں آپ فرما رہے ہیں کہ یہ جہاد جو تم تصور کیے بیٹھے ہو کہ تلوار کے ذریعے سے اسلام کو پھیلایا جائے اسلام کی اشاعت تلوار کے ذریعے سے کی جائے اس وقت اسلام پر قلم کے ذریعے سے حملے کیے جا رہے ہیں اس وقت ہمیں قلم کے ذریعے سے ہی ان کا جواب دینا چاہیے مگر اس وقت ان علماء نے یہ کہا کہ یہ شخص جہاد کا منکر ہے، ان کے اوپر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ وہ فرماتے ہیں:

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبیؐ کا ہے جو رکھتا ہے یہ اعتقاد
کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبیؐ کی حدیث کو
جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس خبیث کو

کیوں بھولتے ہو تم یضع الحرب کی خبر
کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھ تو لو کھول کر
فرما چکا ہے سید کونین مصطفیٰؐ
کہ عیسیٰ مسیح جنگوں کا کردے گا التوا
یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا
اک معجزہ کے طور سے یہ پیشگوئی ہے
کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے
القصہ یہ مسیح کے آنے کا ہے نشاں
کردے گا ختم آکے وہ دیں کی لڑائیاں

پھراس کے بعد آخری اشعار میں آپ فرماتے ہیں:

تم میں سے جس کو دین و دیانت سے ہے پیار
اب اُس کا فرض ہے کہ وہ دل کر کے استوار
لوگوں کو یہ بتائے کہ وقت مسیح ہے
اب جنگ اور جہاد حرام اور قبیح ہے
ہم اپنا فرض دوستو اب کرچکے ادا
اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائے گا خدا

یہ چند اشعار نمونہ کے طور پر پیش کیے ہیں جبکہ آپؒ کی ساری شاعری کا مقصد اور طریق صرف اور صرف تبلیغ اور دین اسلام کی اشاعت تھا۔

☆☆☆☆

## حضرت امیر مرحوم مولٰینا صدرالدین

### رحمتہ اللہ علیہ کے تاکیدی ارشادات

’’حضرت امام الزمان نے قوم کو زندہ رکھنے کے لئے جلسہ سالانہ کا اہتمام کیا وہ شخص جو حضرت کو امام مانتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ حضور کی آواز پر لبیک کہے آپ نے لکھا کہ اس اجتماع میں شریک ہونے کے بڑے فوائد ہیں۔ تمہارا رابطہ اور اتحاد بڑھے گا۔ المومن مرۃ المومن۔ مومن دوسرے مومن۔۔۔۔ کے لئے شیشے کا کام دیتا ہے کبھی اس کو دوسرے کے آئینہ میں اپنے نقص نظر آئیں تو ان کو دور کرتا ہے اور جو کوئی خوبیاں نظر آئیں ان پر پختہ ہوجاتا ہے اس طرح اپنی اصلاح کرتا اور ترقی کرتا ہے۔

حضرت امام الزمان نے بڑا زور دیا ہے کہ احباب جلسہ سالانہ پر جمع ہوں اس سے برکت پیدا ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو حضرت کو امام برحق مانتے ہیں وہ مرد او عورتیں آئندہ جلسہ سالانہ پر سب یہاں جمع ہوں اور بچوں کو ساتھ لائیں۔ تاکہ ان میں بھی وہ صفات حسنہ پیدا ہوں جو حضرت مجدد الزمن نے اس جماعت میں پیدا کی ہیں‘‘۔

(خطبہ جمعہ مورخہ 25نومبر1966ء)

# حکم قرآن ''سچے بنو اور سچوں کی معیت اختیار کرو''

## نوید احمد صاحب

ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کا تقویٰ کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔'' (سورۃ التوبہ آیت 9:119)

سچائی یا صدق کے معنی راست گوئی، سچ بولنا اور اپنے عہد کو سچ کر دکھانا ہے۔ سچائی ایک ایسی صفت ہے جسے بلاشبہ اخلاقی خوبیوں میں سرفہرست رکھا جاتا ہے۔ انسان کے ہر قول اور عمل کی درستی کی بنیاد یہی ہے کہ اُس کے لئے اُس کا دل اور اس کی زبان باہم ایک دوسرے سے مطابق اور ہم آہنگ ہوں۔ جو سچا نہیں اس کا دل ہر برائی کا گھر ہوتا ہے اور جو سچا ہے اس کے لئے ہر نیکی کے حصول کا راستہ آسان ہے۔

صدق کے معنی سچائی اور اصلیت کے ہیں۔ صدق سے راست بازی نیک نامی اور تعریف کے معنی بھی نکلتے ہیں۔ صدق کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں مثلاً صدق لسانی، صدق قلبی، صدق عملی وغیرہ۔

### صدق کے لغوی اور اصطلاحی معنی

لغت کے اعتبار سے اگرچہ صدق کے معنی سچ بولنا اور واقعہ کے مطابق بات کہنا کے کئے جاتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے صدق انسان کی زبان اور قول کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے۔ مگر شریعت کی اصطلاح میں صدق کے تحت انسان کے قول کی طرح خود اس کا اپنا فعل بھی داخل ہے اور صدق فی الفعل کے معنی ہیں کہ انسان کی جو زبان ہے اس پر عمل بھی کرے۔ اس کو پورا بھی کرے۔ اس لحاظ سے صدق فی الفعل کا تعلق اپنی ذات سے ہو جاتا ہے جیسا کہ صدق فی القول کا تعلق غیر سے ہوتا ہے یعنی کسی کے متعلق جو بات کہے۔ بالکل سچی اور واقعہ کے مطابق کہے بالفاظ دیگر عربیت کی اصطلاح کے مطابق صدق فی القول: ''خبر'' ہے اور صدق فی الفعل ''انشاء'' ہے۔

قرآن مجید میں صدق کا کلمہ سچ بولنا، سچ کر دکھانا اور راست روی کے معنوں میں آتا ہے۔ فرقان حمید میں ہے ''اور راست بازوں کے ساتھ رہو'' صدق میں دل کی سچائی بھی شامل ہے۔ دل کی سچائی کا مطلب ہے کہ دل میں منافقت نہ ہو۔ جو دل میں ہو، وہی زبان پر ہو، جو زبان پر ہو وہی دل میں ہو اور دل میں وہی عمل ہو، جیسا ظاہر ویسا باطن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہی لوگوں کو صادق کہا ہے اور اُن کے لئے انعامات رکھے ہیں۔ جو اُن کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے طرف سے بطور تحفہ ملیں گے۔ صدق کا شمار اُن اوصاف حمیدہ میں ہوتا ہے جن کی قرآن مجید میں بہت تاکید ہے۔

صدق کی چھ اقسام ہیں۔

### صدق قولی

زبان سے بات نکالتے وقت سوچنا اور صاف صاف بات کرنا صدق قولی کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرقانِ حمید میں فرمایا ہے:

''جو لفظ بھی انسان بولتا ہے فرشتے اسے نامہ اعمال میں لکھ لیتے ہیں''

دوسری جگہ پر فرقان حمید میں فرمایا:

''یہ دن ہے کہ جس دن سچ بولنے والوں کو اُن کا سچ فائدہ دے گا'' اس لئے زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ سچائی پر مبنی ہونا چاہیے۔

### صدق فعلی

صدق فعلی یہ ہے کہ آدمی جو بات بھی زبان سے نکالتا ہے اُسے وہ عملاً پورا کرے۔

## صدق نیت

انسان جو کام بھی انجام دے اس میں اس کی نیت سچی ہونی چاہیے، نیتوں پر عملوں کا دارومدار ہے۔ اگر نیت نیک ہو تو نیکی ملے گی اور اگر نیت درست نہ ہو تو اس کا اجر بھی ویسا ہی ملے گا۔ انسان کو چاہیے کہ وہ سب کام نیک نیتی سے کرے۔

## صدق عزیمت

انسان جو کام بھی کرے پختہ ارادے کا پایا جانا ضروری ہے۔ کسی قسم کا تذبذب نہیں ہونا چاہیے۔ مومن کی تو پہچان ہی یہ ہے کہ اس کے ہر کام میں ثابت قدمی ہوتی ہے، عزم سے کام کرتا ہے۔

## صدق وفا

پس جو وعدہ بھی کرے اُسے ضرور پورا کرنا چاہیے۔ اگر وہ وعدہ کر کے وفا نہیں کرتا تو وہ مومن نہیں ہے صدق وفا مومن کی پہچان ہے اگر صدق وفا نہیں تو منافق ہے۔ منافق کافر سے بھی بدتر ہوتا ہے۔

## صدق دین

انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کے دین کو لوگوں کے دلوں تک پہنچائے اور خود اس پر عمل کرنے کی راہ میں جو بھی کٹھن وقت آئے اسے برداشت کرے۔ دین نے جو سچائی کا درس دیا ہے اسے دامن میں تھامے رہے۔ اپنی سیرت کو بھی کو شکل کے ساتھ ساتھ خوبصورت بنائے نبی پاک صلعم نے دعا سکھائی: ''کہ اے اللہ تو نے مجھے شکل اچھی دی ہے میری سیرت بھی اچھی کردے۔''

اللہ سبحانہ تعالیٰ فرقان حمید میں صدق کے بارے میں فرماتے ہیں: ''صدق ایک ایسا اعلیٰ وصف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں شمار کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کون اللہ سے بڑھ کر سچا ہوسکتا ہے''۔

قرآن مجید میں بے شمار وعیدیں آئی ہیں جو جان بوجھ کر صدق فی القول کی خلاف ورزی یا جان بوجھ کر جھوٹ بولتے اور واقعہ کے خلاف بات کرتے ہیں جن کا ذکر کچھ اس طرح آتا ہے جو جھوٹ بولتے ہیں۔ جھوٹوں پر خدا کی لعنت تک کی تصریح ہے۔ اسی طرح صدق فی الفعل کی خلاف ورزی یعنی جو زبان سے کہنا اس پر عمل نہ کرنا۔ اس پر بھی شدید وعید آئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو! جو تم کرتے نہیں وہ زبان سے کیوں کہتے ہو۔''

(سورۃ الصف آیت3)

یعنی بڑی بڑی بات ہے بلکہ زبردست اخلاقی کمزوری ہے کہ جو زبان سے کہو اس پر عمل نہ کرو۔ انسان کو اپنی زبان کا پاس ہونا چاہیے۔ چاہیے کچھ بھی ہوجائے۔ جو زبان سے کہا اسے پورا کرنا چاہیے گویا ایمان کے دعویٰ کے بالکل منافی ہے کہ جو تم زبان سے کہو اس پر عمل نہ کرو۔ یا جو عہد کرو اس کو پورا نہ کرو اسی پر بس نہیں بلکہ ارشاد ہے:

ترجمہ: ''بہت بڑی ناراضگی کا موجب ہے اللہ کے نزدیک کہ تم جو کہو اس پر عمل نہ کرو۔'' (سورۃ الصف آیت3)

اس لئے ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ صادق القول یعنی ''راست گفتار'' بھی ہو اور صادق الفعل یعنی ''راست کردار'' بھی ہو۔ تب ہی وہ کامل مومن ہوسکتا ہے خدا کی ناراضگی اور قہر وغضب سے بچ سکتا ہے اور اگر کبھی دانستہ یا نادانستہ طور پر قول یا فعل میں جھوٹ سرزد ہوجائے تو فوراً اس سے توبہ واستغفار کرے اور اگر وہ قول یا فعل کسی دوسرے شخص کے حق سے متعلق ہو تو اس کی تلافی کرنا، یا اس سے معاف کرانا بھی از بس ضروری ہے۔

آج کل ہم مسلمانوں میں دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی جھوٹ بولتے ہیں۔ دونوں قسم کا اس قدر عام ہوگیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ اسے کوئی گناہ اور جرم نہیں سمجھتے بلکہ ''ہنر'' سمجھتے ہیں اسی لئے طرح طرح سے اللہ کا قہر وغضب ہم

مسلمانوں پر نازل ہو رہا ہے۔

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ جنگ تبوک میں نہ شریک ہونے والے اُن سچے مومنوں کا ذکر اور ان کی توبہ کے قبول ہونے کا اعلان فرمانے کے بعد جنہوں نے محض اللہ جل جلالہ کے ڈر، خوف کی وجہ سے جھوٹے منافقوں کی طرح جھوٹے بہانے تراشنے اور جھوٹ بولنے کے بجائے بالکل سچ سچ اپنے قصور اور جرم کا اعتراف کیا تھا۔ اور صدق دل سے توبہ کی تھی۔ ہر مومن کو اسی طرح خدا سے ڈرنے، سچ بولنے اور سچے لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ کے ہاں۔ اس سے ڈرنے والے مقرب بندوں کی ایک جماعت ہے جس کا نام صادقین ہے۔ صادقین کی جماعت کا ایک سب سے اعلیٰ طبقہ بھی ہے جس کا نام صدقین ہے اُن کا درجہ انبیاء کرام کے بعد ہی ہے یعنی انبیاء کے بعد افضل البشر عام مخلوق سے افضل یہی ہیں۔

جن میں سب سے بڑھ کر صدیق اکبر یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ سرکار دو عالم نے اپنی اُمت کے ہر مومن مرد اور مومن عورت کو اس مرتبہ تک پہنچنے اور صدیقین میں شامل ہونے کی تدبیر بتلائی ہے۔

اللہ جل شانہ فرقان حمید میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''یقیناً تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا ہے، تمہارا تکلیف پانا اُس پر شاق گزرتا ہے، وہ تمہارے لئے بھلائی کا خواہش مند ہے، مومنوں پر مہربان رحم کرنے والا ہے۔'' (سورۃ توبہ آیت 168)

اس سورت کے آخر پر بتایا کہ یہ کوئی رسول کے آنے کی غرض نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ رسول کی حالت تو یہ ہے کہ جو کچھ تم پر تکلیفیں اور مصیبتیں آتی ہیں وہ اس پر بھی شاق گزرتی ہیں۔ اور وہ چاہتا ہے کہ تم ان مصائب سے باہر نکل جاؤ۔ اور تم پر حریص ہے یعنی تمہاری بہتری کو چاہتا ہے یہاں تک لفظ عام ہیں یعنی جو کچھ دنیا میں گناہ اور غلطیاں ہیں اور جو کچھ اُن کی وجہ سے دنیا اپنے آپ کو مشقت اور ہلاکت میں ڈال رہی ہے اس سے رسول اللہ صلعم کا دل پگھلتا ہے، جنگ میں انسانوں کا خون بہتا ہے۔ اس سے اسے خوشی نہیں ہوتی۔ اگر لوگ کفر اور نفاق اختیار کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں تو اس سے اسے راحت نہیں ملتی بلکہ ان چیزوں کو دور کرنے کی تڑپ اس کے دل میں ہے اس آخری پیغام میں رسول صلعم کے قلب کی پہلی حالت کا ذکر کیا جو دنیا میں گناہ اور ہلاکت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور خدا سے مدد چاہی۔ بالمومنین رؤف الرحیم میں بتایا کہ اگر تم مومن بن جاؤ تو پھر وہ رسول تو تمہارے لئے مجسم راحت و رحمت ہی ہے۔ اس نبی صلعم محترم نے صدق کی راہیں نہ صرف دکھائیں بلکہ عمل بھی کر کے دکھا دیا۔

سچ بولنے کا انجام بھی نیک ہوتا ہے۔ جھوٹ بولنے کی عادت اور اس کا انجام اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے:

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی رحمتؐ نے ارشاد فرمایا بے شک سچ انسان کو نیکو کاری کا راستہ بتلاتا ہے۔ اور نیکو کاری یقیناً انسان کو جنت میں پہنچا دیتی ہے۔ اور بے شک آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ جل شانہ کے ہاں اس کا نام صدیقین میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جھوٹ انسان کو بدکاری کا راستہ بتلاتا ہے اور بدکاری یقیناً انسان کو جہنم میں پہنچا دیتی ہے اور بے شک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ جل شانہ کے ہاں اس کا نام کذابین، بڑے جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

اس حدیث نے صدیق سچ بولنے کے اس فائدہ کو واضح کیا ہے اور یہ بھی بتایا کہ قول اور فعل میں سچائی اختیار کرنے اور عادت ڈالنے کا ثمرہ ہی ہے کہ انسان صادقین کے درجہ سے ترقی کر کے صدیقین کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے جس کا مقام اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ہے جھوٹ اور اس کی عادت کا اندازہ کیجئے کہ جھوٹ کی جرات پیدا ہو جانے کے بعد بے شمار گناہوں اور جرموں کی راہ ہموار ہو جاتی ہے انسان بڑے سے

بڑے گناہ اور جرم کا ارتکاب کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔ یا شرم محسوس نہیں کرتا محض اس بنیاد پر کہ اگر بات کھلی تو میں صاف انکار کر دوں گا، نتیجہ ظاہر ہے کہ دنیا میں بھی ذلیل وخوار اور رسوا ہوتا ہے۔ اپنے کیے کی سزا بھگتا ہے اور آخرت میں تو جہنم کا عذاب اس کے لئے ہے ہی۔ اسی لئے اللہ جل شانہ کے ہاں اس کا مقام کذابین میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کا مقام جہنم کا سب سے نچلا طبقہ منافقین کا خاص مقام ہے۔ اس لئے تو سرکار دو عالمؐ نے منافق کی علامت بتائی ہے۔

جب بھی بات کرے جھوٹ بولے اور جب بھی وعدہ کرے اس کے خلاف کرے۔ اور جب بھی کسی سے عہد کرے تو عہد شکنی کرے۔ پہلی صفت صدق فی القول کے منافی اور کذب فی القول ہے دوسری اور تیسری صفت صدق فی الفعل کی ضد اور کذب فی الفعل ہے۔

اسی لئے تو قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔ حضرت حسن بن علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ مجھے اپنے نانا خاتم الانبیاء کی ایک قیمتی نصیحت خوب اچھی طرح یاد ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: جس بات میں شک یا تردد ہو اس کو چھوڑ دو اور جس میں کوئی شک وشبہ یا تردد نہ ہو اس کو اختیار کرو تا کہ جھوٹا بننے کا امکان نہ رہے۔ اس لئے کہ سچ قلبی اطمینان کا نام ہے اور جھوٹ بے اطمینانی اور تردد کا۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلعم نے سچ کی نہایت اہم پہچان بتلائی ہے کہ اطمینان قلب حاصل ہونا۔ اس کو سچ سمجھو اور جس پر دل مطمئن نہ ہو اس کو سچ مت سمجھو بسا اوقات کوئی بات بظاہر جھوٹی نہیں معلوم ہوتی مگر دل اس پر ٹکتا نہیں تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس بات کو باور بھی نہ کرو اور جھٹلاؤ بھی مت۔ وقت گزرنے پر پتہ چل جاتا ہے۔

## مومن کا دل

خاص کر ایک مومن کامل کے قلب کے متعلق تو سرکار دو عالم کا ارشاد ہے: ''ایک مومن کی فراست قلبی سے ہوشیار رہو۔ اس لئے کہ وہ اللہ جل شانہ کے نور سے دیکھتا ہے۔''

## اسوہ رسولؐ اور صدق

سرور کائنات صدق کی بہترین عملی تصویر تھے۔ آپؐ کی زبان مبارک صدق کی امین، قلب اطہر صدق کا مرکز اور عمل پیہم صدق کی پہچان تھا۔ آپؐ کے صدق کے معترف آپؐ کے بدترین دشمن بھی تھے۔ آپؐ صادق وامین کے القاب سے مشہور تھے حضور کے بدترین دشمن ابوجہل نے ایک بار کہا تھا:

''محمدؐ میں تجھے جھوٹا نہیں سمجھتا لیکن تیری تعلیم پر میرا دل نہیں ٹھہرتا۔ حضورؐ نے لوگوں کو تبلیغ اسلام کے لئے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر جب یہ فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم مان جاؤ گے۔ تمام لوگوں نے ایک زبان ہو کر جواب دیا تھا کیوں نہیں۔ ہم نے آپ صلعم ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے۔

## صحابہؓ اور صدق

صحابہ کرام صدق کی عمدہ تصویر تھے۔ صحابہؓ نے کائنات کے سب سے بڑے سچ یعنی اللہ کا اقرار کیا۔ پھر تمام عمر اس سچ پر قائم رہے۔ انہیں اس صدق کی صداقت کا اقرار کرنے پر ہر قسم کے مصائب برداشت کرنا پڑے۔ لیکن انہوں نے اللہ کی صداقت پر صدق دل سے ایمان کا ثبوت اپنے عمل کی صداقت سے دیا۔ پھر اس صداقت کی تصدیق کے لئے اپنی جانیں نچھاور کر دیں اور شہیدوں کی صفِ اول کے شخص ٹھہرے۔

## مومن اور صدق

دور جاہلیت کے عربوں میں بے شمار برائیاں پائی جاتی تھیں لیکن وہ بے شمار خوبیوں کے مالک بھی تھے۔ ان خوبیوں میں سے ایک صدق یعنی سچ بولنے اور سچ کا ساتھ دینے کی صفت بھی تھی۔ آج ہم اپنے مسلمان اور مہذب

ہونے کے دعویٰ کے باوجود صدق جیسی صفت سے بے نیاز ہیں۔ نہ ہمارے اندر سچ برداشت کرنے کی قوت ہے نہ سچ کہنے کی اور نہ سچ کا ساتھ دینے کی جبکہ مومن اور صدق لازم وملزم ہیں۔

ارشاد نبویؐ ہے''مومن بزدل وبخیل ہوسکتا ہے مگر جھوٹا نہیں۔''

صدق انسان میں خوداعتمادی کوفروغ دیتا ہے جوانسان سچ پر قائم رہنے والا ہو وہ بڑی سے بڑی مصیبت اور نقصان کو سچ کے سامنے حقیر سمجھتا ہے اور جب انسان نفع ونقصان اور مصیبت و راحت کے پیمانوں سے آزاد ہوجائے تو وہ خوداعتمادی کی منزلیں طے کرنا شروع کردیتا ہے۔ صدق باہمی اعتماد میں اضافہ کرتا ہے اگر انسان سچ کا عادی ہوتو وہ کڑوا ہونے کے باوجود دوسروں کی نظر میں معتبر ضرور ہوتا ہے۔ یہی اعتبار باہمی اعتماد کو پروان چڑھاتا ہے۔

سچ کا ساتھی چونکہ خود سچ کا قائل ہوتا ہے اس لئے کہ اسے سچ کڑوا نہیں لگتا وہ بڑی فراخ دلی سے حقیقت کوتسلیم کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ یہ چیز قوت برداشت میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔ عزت اور وقار میں اضافہ صدق کی بدولت ممکن ہوتا ہے۔ سچا ہونے کی وجہ سے لوگ اس کے ہر لفظ کومعتبر سمجھتے ہیں۔ یہ وہ عظمت ہے جو صرف صدیقین ہی کے حصہ میں آسکتی ہے۔

جب انسان سچ بولتا ہے تو اس کے قلب وذہن اطمینان پاتے ہیں۔ وہ حقیقت پرست ہوجاتا ہے۔ حقیقت پر نظر رکھتا ہے اور حقیقت کا ہی ساتھ دیتا ہے اس طرح اس کی ذات کا دائرہ ایک ہی رہتا ہے۔ اس کے اعضاء تضاد کا شکار نہیں ہوتے اور یہی چیز اطمینان کا باعث بنتی ہے۔

سچ پر قائم رہنے والا نفاق، بزدلی، حرص، خوف اور بے اعتمادی جیسی بے شمار برائیوں سے نجات حاصل کرلیتا ہے اور اخلاق حسنہ کا مجموعہ بنتا چلا جاتا ہے۔ جوشخص سچ پر قائم رہنے والا ہو۔ اس میں مسائل کوسمجھنے حل کرنے اور قوت طلب مراحل سے گزرنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔ صدق قائدانہ صلاحیتوں اور رہنمایانہ کردار کے لئے ضروری ہے گویا کہ

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا۔

اور سچے لوگوں کے ساتھ ہوجاؤ۔ حضرت ابوسفیانؓ اسلام لانے سے پہلے زمانہ میں رومی بادشاہ ہرقل سے رسول اللہ صلعم کے بارے میں اپنی ملاقات اور گفتگو کا ایک قصہ حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ ہرقل نے ابو سفیان سے دریافت کیا کہ تمہیں وہ نبی کس بات کا حکم دیتا ہے ابوسفیان کہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا وہ نبی کہتا ہے صرف اللہ جل شانہ کی عبادت کرو اور کسی بھی چیز کواس کا شریک مت گردانو اور تمہارے باپ دادا جو کہتے چلے آئے ہیں۔ ان سب کو بالکل چھوڑ دو اور نبی ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیتا ہے اور سچ بولنے کا پاک دامنی اختیار کرنے کا اور صلہ رحمی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

صدق درحقیقت انبیاء کرام کی صفات عالیہ میں سے ہے اور تمام انبیاء سابقین کی تعلیمات میں صدق کو ایک متفق علیہ مسلم اور مانی ہوئی فضیلت کا مقام حاصل ہے۔ روسی بادشاہ ہرقل اس حقیقت کو جانتا تھا۔ وہ آپؐ کے امر بالصدق، سچ بولنے کے حکم کو آپ کے نبی برحق ہونے کی دلیل قرار دیتا ہے نہ صرف انبیاء کرام علیہ السلام بلکہ دنیا کے تمام حکماء اور علماء اخلاق بھی صدق کو انسانی کمالات وفضائل میں سرفہرست اوّل عزیز شمار کرتے ہیں۔ سچے دل سے کسی بات کے کہنے یا دعا مانگنے کا اجر اس حدیث میں اس کی فضیلت کا ذکر بیان کیا گیا ہے:

حضرت ابوثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ جل جلالہ سے صدق دل سے شہادت کے درجہ کی دعا مانگتا ہے اللہ جل شانہ اس کوشہیدوں کے مرتبہ پر پہنچا دیتے ہیں۔ اگرچہ بستر پر پڑ کر اس کو موت آئے۔ یہ صدق فعلی ہے جس کو اردو میں سچے دل سے مانگنا یا کسی سے وعدہ کرنا کہتے ہیں جس کا دوسرا نام اخلاص ہے۔ دیکھے اللہ جل شانہ کے ہاں

اس کی کتنی قدر ہے کہ لڑائی کے میدان میں شہید ہوئے بغیر ہی محض صدق و اخلاص کی بناپر اتنا بلند مرتبہ عطا فرمادیتے ہیں۔

فرقان حمید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتوں اُن سب کے لئے بڑا بدلہ اور ثواب تیار کر رکھا ہے۔''

قرآن مجید میں نبیوں کی سچائی کا ذکر آتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ حضرت ادریسؑ کے متعلق فرماتے ہیں:

''اور ذکر کر و کتاب میں حضرت ادریسؑ کا کہ وہ سچے نبی تھے۔قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کی والدہ کا ذکر بھی آتا ہے۔

فرمایا''اوران کی ماں سچی تھی۔

حضرت یوسفؑ کا ذکران الفاظ میں ہے۔''یوسف اے سچے یوسف''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے اللہ سبحانہ فرماتے ہیں اور ذکر کرو کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کہ وہ سچے نبی تھے۔

## جھوٹ تمام برائیوں کی ماں ہے

ایک دفعہ ایک شخص رسول خدا کی طرف خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ مجھ میں چند برائیاں ہیں۔ان برائیوں میں سے آپ کے کہنے پر میں ایک برائی چھوڑ دیتا ہوں۔ نبی پاک صلعم نے فرمایا جھوٹ چھوڑ دو۔ دوسرے دن اس آدمی نے حاضری دیتے ہوئے کہا۔جھوٹ چھوڑنے سے میری تمام برائیاں جاتی رہی ہیں کیونکہ جب بھی میرے دل میں برائی کا خیال آتا تو میں سوچتا کہ آپ کو کیا منہ دکھاؤں گا اور اگر نہ چھپایا تو سزا سے کیسے بچوں گا۔

تم صدق کو لازم پکڑو۔اور ہمیشہ سچ بولو، کیونکہ صداقت نیکی ہے اور نیکی جنت کی ضامن ہے۔

## صدق بھلائیوں کے حصول کا ضامن

اعلیٰ اخلاق انسان میں صدق سے ہی آتے ہیں۔ برائیاں کبھی بھی سچے آدمی کے پاس نہیں آسکتیں۔ ہر انسان سچ بولنے والے کو دل سے چاہتا ہے۔ سچا آدمی اطمینان کی زندگی بسر کرتا ہے وہ کبھی بھی غم زدہ پریشان نہیں ہوتا۔ سب پریشانیاں جھوٹ کے لئے ہیں۔ جھوٹ بولنے والے شخص کے رزق میں کمی ہو جاتی ہے ۔اللہ برکت کھینچ لیتا ہے۔ صدق سے عمل کی دنیا میں وسعت ہوتی ہے۔ صدق سے ہی اعلیٰ کردار کی تشکیل ہوتی ہے۔ آدمی کی شخصیت میں نکھار سچ سے ہی آتا ہے۔جھوٹا آدمی تو منافق کہلاتا ہے منافق کبھی بھی اعلیٰ کردار کا نہیں ہوسکتا۔صدق سے دل کی صفائی ہوتی ہے، نفاق بھاگ جاتا ہے اور انسان متقی پرہیز گار بن جاتا ہے۔

حضرت ابو خالد حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے قاعدہ مقرر فرمایا ہے کہ بیچنے والا خریدنے والا، دونوں کو، خریدنے نہ خریدنے کا اختیار رہتا ہے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں، پس اگر ان دونوں نے سچ بولا اور مال کے عیب دار یا عیب کو ظاہر کر دیا اور بتلا دیا کہ یہ مال ایسا ہے تو ان کے اس سودے میں دونوں کے لئے برکت عطا فرمادی جائے گی اور اگر عیب کو چھپایا اور جھوٹ بولا تو ان دونوں کے سودے کی برکت مٹا دی جائے گی۔

جھوٹ بولنا گناہ در گناہ ہے ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیوی معاملات میں جس طرح دینی امور میں سچ بولنا ضروری ہے اسی طرح دنیوی امور اور معاملات میں بھی سچ بولنا ضروری ہے بلکہ دنیوی امور اور معاملات میں لین دین میں خرید وفروخت میں ۔ جھوٹ تو صرف جھوٹ ہی نہیں بلکہ دھوکہ دہی اور ضرر رسائی بھی ہے اور حقوق اللہ سے متعلق نہیں کہ توبہ واستغفار سے معاف ہو جائے بلکہ حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے۔اس لئے جب تک متعلقہ شخص یا اشخاص کا حق ادا نہ کیا جائے اور نقصان کی تلافی نہ کی جائے یا معاف نہ کرایا جائے اس وقت تک اس کی سزا سے بچنا ممکن نہیں۔

ہمارے موجودہ معاشرے میں ویسے تو تمام ہی دنیاوی امور خصوصاً لین

دین ۔خرید وفروخت وغیرہ سرتا سر جھوٹ دھوکے وار فریب پر چل رہے ہیں مگر بدقسمتی سے لوگ روزہ نماز کے پابند ہیں اور دیانتدار اور پرہیز گار کہلاتے ہیں وہ بھی ان معاملات میں جھوٹ بولنے کو جھوٹ ہی نہیں سمجھتے ۔ چیز دوکان پر ہوگی ارو کہہ دیتے ہیں کہ نہیں ہے نقلی چیز ہوگی بلا تکلف اس کو اصلی بنا دیں گے۔

اس حدیث میں ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور عہد کر لینا چاہیے کہ کسی بھی معاملہ میں کسی بھی صورت میں جھوٹ ہرگز نہ بولیں گے چاہے سچ بولنے میں کتنا ہی نقصان ہو، دشواریاں پیش آئیں ،نقصان اٹھانے پڑیں، ناراضگیاں مول لینی پڑیں اگر ہم صدق دل سے یہ عہد کریں گے اور اس مقام پر قائم رہیں گے تو اللہ جل شانہ ہماری ضرور مدد فرمائے گا۔

سچائی تین قسم کی ہوتی ہے۔

(۱): زبان کی سچائی، سچی زبان سے جو بولا جائے وہ سچ بولا جائے اور منہ سے کوئی حرف سچائی کے خلاف نہ نکلے، یہ سچائی کی عام اور مشہور قسم ہے جس کی پابندی ہر مسلمان پر فرض ہے وعدہ کو پورا کرنا اور عہد اور قول وقرار کو نباہنا بھی اسی قسم میں داخل ہے اور یہ ایمان اور اسلام کی بڑی نشانی ہے۔

(۲): دل کی سچائی ،صدق کی دوسری قسم دل سے تعلق رکھتی ہے۔اور اس حیثیت سے صدق اور اخلاص دونوں ایک ہی چیز بن جاتے ہیں۔

(۳): عمل کی سچائی :عمل کی سچائی یہ ہے کہ جو نیک عمل ہو،ضمیر کے مطابق ہو یا یوں کہیے کہ ظاہری اعمال باطنی اوصاف کے مطابق ہیں۔

امام غزالیؒ کا قول ہے ۔صدق کو عملی فضائل میں ایک طرح بنیادی حیثیت حاصل ہے اس لئے کہ کائنات کی دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کے تمام امور کا انحصار اس فضیلت پر ہے ۔ایک شخص رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ مجھ میں چار بڑی خصلتیں ہیں:

(۱): بدکار ہوں ۔(۲): چوری کرتا ہوں (۳): شراب پیتا ہوں

(۴): جھوٹ بولتا ہوں ۔ان میں سے جس ایک کو فرمایئے ۔آپ کی خاطر اسے چھوڑ دوں ۔ارشاد ہوا کہ جھوٹ نہ بولو چنانچہ اس سے عہد کیا جب رات ہوئی تو شراب پینے کو اس کا جی چاہا اور پھر بدکاری کے لئے آمادہ ہوا تو اس کو خیال گزرا کہ صبح کو جب حضور پوچھیں گے کہ رات کو تم نے شراب پی ۔اور بدکاری کی تو کیا جواب دوں گا۔اگر ہاں کہوں گا تو شراب اور زنا ن کی سزا دی جائے گی اگر نہیں کی تو عہد کے خلاف ہوگا۔

یہ سوچ کر ان دونوں کاموں سے باز رہا۔جب رات زیادہ گزری اور اندھیرا خوب چھا گیا تو چوری کے لئے گھر سے نکلنا چاہا۔تو پھر اسی خیال سے اس کا دامن تھام لیا کہ کل پوچھ کچھ ہوئی تو کیا کہوں گا، ہاں کروں تو ہاتھ کٹیں گے اور نہیں کرتا تو وہ بدعہدی ہوتی ہے۔اس خیال کے آتے ہی اس جرم سے باز آیا۔صبح ہوئی تو دوڑ کر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! جھوٹ نہ بولنے سے میری چاروں بڑی خصلتیں مجھ سے چھوٹ گئیں ۔یہ سن کر حضور صلعم خوش ہوئے۔

اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم حکم قرآنی کی فرمانبرداری کو اختیار کرتے ہوئے سچ کو اپنائیں اور سچوں کی ہی معیت اختیار کریں تاکہ دنیا اور آخرت کی فلاح کو پاسکیں۔

## جلال ان کا (صلی اللہ علیہ وسلم)

عروج ابن آدم ہے ، نظر ان کی ، خیال ان کا<br>
شعور و آگہی کیا ہیں؟ ادا اُن کی ، جمال ان کا<br>
جہاں میں عظمتِ آدم کو سجدہ کس نے کرنا تھا<br>
نہ ہوتا وسعتِ کون و مکاں میں گر جلال ان کا

محمد اعظم علوی مرحوم ومغفور

انگریزی سے ترجمہ: ہما خالد ایم اے

# برلین مسجد، جرمنی میں تبلیغی سرگرمیاں

## رپورٹ ماہ اکتوبر اور نومبر 2016ء

از عامر عزیز، ایم اے

### تعمیراتی کمپنی کی جانب سے مسجد برلین میں پریس کانفرنس

**21** اکتوبر۔ برلین مسجد کی مرمت کے پہلے مرحلہ کی تکمیل پر برلین مسجد میں تعمیراتی کمپنی نشکے ڈی مارکس کی جانب سے پریس کانفرنس کے انعقاد کا اہتمام کیا گیا۔ پہلے مرحلہ کی تکمیل میں ماہر فن تعمیر اور ان کے عملہ نے نہایت ذمہ داری اور مہارت سے کام سرانجام دیا۔ خاتون آرکیٹیکٹ محترمہ کا تجاوالیس نے اس کام میں پوری دلچسپی لی اور مسلسل کام کے ہر پہلو پر نظر رکھتی رہیں اور اسی وجہ سے کام کی رفتار اور عمدگی قابل قدر ہیں۔ عامر عزیز صاحب بھی باقاعدگی سے کام کو دیکھتے رہے۔ موجودہ تعمیراتی کمپنی مسجد کے ڈیزائن اور خوبصورتی اور پھر اس کے لئے تحریک احمدیہ کے ممبران کی مالی قربانیوں سے بے حد متاثر نظر آتے تھے۔ ہم محکمہ تحفظ آثار قدیمہ کے بھی انتہائی مشکور ہیں کہ جنھوں نے ماضی میں مسجد کے گنبد، ایک مینارہ کی از سر نو تعمیر اور مسجد اور مشن ہاؤس کی مرمت کے لئے فراخدلانہ امداد کی۔ اگلے مراحل میں بھی مرمت کے کام کے سلسلہ میں مالی اور تعمیراتی نگرانی جاری رہے گا۔ موجودہ مرحلہ میں تعمیر و مرمت کے کام کے دوران تعمیراتی کمپنی، امام مسجد اور ممبران مجلس منتظمہ میں مسلسل صلاح مشورہ ہوتا رہا جس کی وجہ سے کام خاصہ مضبوط اور عمدہ ہوا ہے۔

پریس کانفرنس کے انعقاد کا خیال بھی تعمیراتی کمپنی کا تھا تاکہ لوگوں کو اس انتہائی خوبصورت اسلامی طرز تعمیر اور مسجد کی سرگرمیوں سے تعارف کروایا جائے۔ اور برلین کی ''اس خوبصورتی'' کی رعنائی کو برقرار رکھنے کے لئے جرمنی میں تاریخی عمارات کے تحفظ میں دلچسپی رکھنے والے ادارے اور عام مخیّر احباب اس کے لئے مالی امداد فراہم کریں۔

جرمن حکومت کی جانب سے موجودہ معاشی مشکلات کے پیش نظر محکمہ تحفظ آثار قدیمہ نے مالی امداد میں اپنا حصہ کم کر دیا ہے تاہم اللہ کی رحمت سے اس پریس کانفرنس کی وجہ سے ٹی وی، ریڈیو، اخبارات میں اپیل کا کافی حوصلہ افزاء اثر ہوا۔ بڑی تعداد میں صحافی مسجد تشریف لائے۔ امام مسجد کی جانب سے تحریک احمدیت لاہور اور برلین مسجد کی تاریخ پر پاور پوائنٹ کے ذریعہ روشنی ڈالی گئی۔ صحافیوں نے مسجد میں مرمت کے کام کا جائزہ لیا اور چھت پر چڑھ کر بھی گنبد اور چھوٹی برجیوں کی ماہرانہ مرمت کو ملاحظہ کیا۔

برلین کی RBB ریڈیو اور ٹی وی نے مسجد کی تزئین و آرائش اور مرمت کے متعلق ایک پروگرام نشر کیا گیا۔ آٹھ سے زائد اخبارات میں امام برلین مسجد محترم عامر عزیز صاحب اور تعمیراتی کمپنی کے سربراہ اور ان کے عملہ کے انٹرویو شائع ہوئے۔ ایک اخبار کی نمایاں سرخی یہ تھی کہ ''یہ وہ عمارت ہے کہ جس کے لئے خواتین نے اپنے زیورات پیش کر دیئے''۔ یہ اللہ کی رحمت اور برکت ہے کہ ہمارے بزرگوں اور خواتین کی قربانیوں کو قریباً ایک صدی کے

بعد بھی برلین کے اخبارات میں سراہا جا رہا ہے۔

## مذاہب کے برلین فورم کے سالانہ کانفرنس میں شمولیت

8 نومبر۔ میئر برلین کے راتھاؤس بلڈنگ میں اس فورم کے سالانہ کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ تمام مذاہب کے نمائندگان نے کانفرنس میں شرکت کی ۔ الحمد اللہ جماعت احمدیہ لاہور کی جانب سے امام مسجد برلین ، عامر عزیز صاحب نے شرکت کی ۔ اس موقع پر امام صاحب نے برلین مسجد اور اس کی بین المذاہب افہام و تفہیم اور ہم آہنگی سے متعلق کارگزاری کا ذکر کیا۔

## ہندوستان کے پی ایچ ڈی عالم نے انٹرویو لیا

مذہب کانفرنس میں ہندوستان سے پی ایچ ڈی کے لئے آئے ایک عالم سے ملاقات ہوئی ۔ انہوں نے تحریک احمدیہ لاہور کے نظریات اور تبلیغی کام میں دلچسپی ظاہر کی اور امام صاحب کے انٹرویو لینے کی خواہش ظاہر کی ۔

9 نومبر۔ یہ ہندوستانی سکالر کشمیر سنگھ صاحب مسجد تشریف لائے اور امام مسجد برلین سے ایک گھنٹہ گفت و شنید کرتے رہے اور انٹرویو لیا۔ ''جرمنی میں اسلام کو پھیلانے میں احمدیت اور برلین مسجد کا کردار'' کے موضوعات زیادہ تر زیر بحث رہے ۔ ڈاکٹر زاہد عزیز صاحب کا کتابچہ ''اسلام پیس اینڈ ٹالرنس'' ان کو پیش کی گئی۔

## انا فورم گروپ کے وفد کی آمد

17 نومبر۔ انا فورم ایک ایسا ادارہ ہے جو کہ جرمنی کے گرد و نواح سے کاروبار اور دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے لئے سیمینار اور سیاحت کے دوروں کا اہتمام کرتا ہے۔ اس گروپ کے 20 عدد سیاحوں نے جو برلین کی کے لئے آئے تھے مسجد کی زیارت کی ۔ ان سے قریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک اسلام ، جماعت احمدیہ اور برلین مسجد کی تاریخ کے موضوعات پر زبانی بھی اور پاور پوائنٹ کے ذریعہ طویل گفتگو ہوئی ۔ الحمد اللہ یہ پروگرام کامیاب رہا اور امید کی جاتی ہے کہ دور دراز سے تشریف لائے ہوئے ان سیاحوں کی بدولت تحریک احمدیت کا پیغام جرمنی میں پھیلے گا۔

## برلین مسجد کے متعلق ایک مضمون

21 نومبر۔ ایک مقامی اخبار ڈی سٹیڈ ٹائلز ائٹنگ میں صحافی خاتون ایلفی ہارٹ من نے برلین مسجد کے متعلق ایک مضمون لکھا۔ محترمہ برلین مسجد کی تاریخ کے متعلق معلومات اکٹھا کرنے پہلے بھی ایک مرتبہ آ چکی ہیں ۔ محترمہ اب دوبارہ تشریف لائی ہیں اور اپنے ساتھ اس اخبار کی کاپی امام صاحب کے لئے لائیں جس میں برلین مسجد کے متعلق ان کا مضمون چھپا تھا۔ وہ جماعت احمدیہ اور برلین مسجد کے بارے میں مزید لکھنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔

## ڈنمارک سے زیر تربیت اساتذہ کی آمد

22 نومبر۔ ڈنمارک کے ڈینش پبلک سکول کے طلباء کا ایک گروپ جو استاد بننے کی تربیت حاصل کر رہے ہیں برلین مسجد آیا۔ ان کے ساتھ اس شعبہ کے ایسوشی پروفیسر احباب ہیسن کریب لیکسٹر تھے ۔ انہوں نے تحریک احمدیہ لاہور اور مسجد برلین کی تاریخ اور سرگرمیوں کے متعلق پاور پوائنٹ لیکچر کو بڑی دلچسپی سے دیکھا اور سوالات کئے ۔ یہ دلچسپ گفتگو تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہی ۔

## برلین پولیس کے سربراہ کے ساتھ ملاقات

25 نومبر۔ برلین پولیس کی دعوت پر امام مسجد برلین عامر عزیز صاحب نے ایک اجلاس میں شرکت کی جس میں دیگر تنظیموں اور مذہبی مرکز کے نمائندے بھی موجود تھے۔ پولیس کے سربراہ نے شرکاء کو مختلف قومیتوں اور مذاہب کے لوگوں اور تازہ ہجرت کر کے آنے والوں کے متعلق صورت حال پر تفصیلی گفتگو کی ۔ انہوں نے اس سلسلہ میں کسی ہنگامی حالت یا مدد کے لئے محکمہ کے پورے تعاون کا یقین دلایا۔ پولیس کے سربراہ نے امام مسجد برلین

کی شرکت پر خوشی کا اظہار کیا اور بتایا کہ انہوں نے خاص طور پر ذاتی طور پر امام مسجد برلین کو دعوت نامہ بھجوایا تھا۔ کئی لحاظ سے یہ ایک اہم اجلاس تھا اور اس سے برلین مسجد کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

## جرمنی اور فرانس میں ریڈیو انٹرویو کی اشاعت

29 نومبر۔ جرمنی اور فرانسیسی ریڈیو سٹیشن جو جرمنی اور فرانسیسی دونوں زبانوں میں پروگرام نشر کرتا ہے۔ اس نے امام مسجد برلین کا ''خدا۔۔۔۔اور اللہ'' کے موضوع پر انٹرویو کو نشر کیا۔ اس ضمن میں اس بات پر بالخصوص گفتگو ہوئی کہ ہر ایک اپنے اپنے معاشرہ میں مذہب کا کتنا اثر قبول کرتا ہے۔

## کوریا کی دنیا میں ہم آہنگی اور امن کی تنظیم کی میٹنگ میں شرکت

29 نومبر کو ہی کوریا کی بین المذاہب تنظیم کا اجلاس ہوا۔ اس میں ''خدا کی طرف سے نازل شدہ صحائف سے لاپرواہی'' کے نتائج پر تفصیل سے گفتگو ہوئی۔ اس میں ہندومت، عیسائیت اور اسلام کے مذہبی نمائندوں نے حصہ لیا۔ اسلام کی نمائندگی امام مسجد برلین محترم عامر عزیز صاحب نے شرکت کی۔ تمام شرکاء نے نکتہ نگاہ کو بے حد سراہا۔

## حدیث نبویؐ

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا کہ غیبت کیا ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کے متعلق ایسی بات کہے جو اسے ناگوار ہو۔ سائل نے عرض کیا جو بات میں کہوں اگر یہ سچی ہو تو بھی یہ غیبت ہوگی؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اگر وہ بات سچی ہو تو وہ غیبت ہے اور اگر سچی نہ ہو تو بہتان ہے جو تم نے اپنے بھائی پر باندھا۔'' (ابوداؤد)

## امیر جماعت احمدیہ لاہور

## حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان مرحوم ومغفور کا پیغام

احباب وخواتین جماعت!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

ہم سب کے لئے یہ امر موجب مسرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دسمبر کی تاریخوں میں ہمیں اپنے سالانہ دعائیہ اجتماع میں شرکت کا موقعہ مل رہا ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ یہ اجتماع خالصتاً حضرت امام وقت بانی سلسلہ احمدیہ کے ارشاد کے ماتحت کسی دنیوی اغراض کے لئے نہیں بلکہ صرف اور صرف دینی مقاصد اور جماعتی تعلقات کی تقویت کے لئے منعقد ہوتا ہے۔ جو بہت سی خیرات وبرکات کا موجب ہوتا ہے۔

آپ سب سے میری گذارش ہے کہ آپ ان ایّام اللہ میں ضرور شرکت فرمائیں اپنے بڑوں اور چھوٹوں کو ابھی سے مستعد کریں اور یہ چار دن محض للہ فی اللہ مرکز میں گذاریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے۔ آپ کی ممکنہ مشکلات کو دور کرے اور سفر کو آسان فرمادے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی راہ میں چل نکلتا ہے تو وہ خود اس کا متکفل ہوجاتا ہے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

مدثر عزیز (مدیر) پیغام صلح انٹرنیشنل نے دفتر 8-7 برنیئر سٹریٹ 10713 برلن (جرمنی) سے شائع کیا

# امام الزماںؑ کی اپنے بیعت کنندگان کو نصیحت

پس جو شخص مجھ سے سچی بیعت کرتا ہے اور سچے دل سے میرا پیرو بنتا ہے اور میری اطاعت میں محو ہو کر اپنے تمام ارادوں کو چھوڑتا ہے۔ وہی ہے جس کی ان آفتوں کے دنوں میں میری رُوح شفاعت کرے گی۔

سوائے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے۔ جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ سو اپنی پنج وقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے۔ وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔ نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہوگی وہ عمل بھی ضائع نہیں ہوگا۔ ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔ سو خبردار ہو، ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی۔ اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے۔ جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ دشمن کے ہاتھوں سے اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دے گا۔ سو تم اس کو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دُکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی اُمیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں سے تم دلگیر مت ہو۔ کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو، اور گالیاں سنو اور شکر کرو، اور ناکامیاں دیکھو، اور پیوند مت توڑو۔ تم خدا کی آخری جماعت ہو، سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہو ہر ایک جو تم میں سست ہو جائے گا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائے گا اور حسرت سے مرے گا اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ دیکھو میں بہت خوشی سے خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا در حقیقت موجود ہے۔ اگرچہ سب اسی کی مخلوق ہے لیکن وہ اس شخص کو چن لیتا ہے جو اس کو چنتا ہے۔ وہ اُس کے پاس آجاتا ہے جو اُس کے پاس جاتا ہے۔ جو اُس کو عزت دیتا ہے وہ اُس کو عزت دیتا ہے۔

تم اپنے دلوں کو سیدھے کر کے اور زبانوں اور آنکھوں اور کانوں کو پاک کر کے اس کی طرف آجاؤ کہ وہ تمہیں قبول کرے گا۔ عقیدہ کے رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں''۔ (کشتی نوح)

☆☆☆☆☆